الإبانة عن أصول الديانة

تالیف

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ

(م 324ھ)

ترجمہ و تقدیم

ابو محمد موہب الرحیم حفظہ اللہ

مراجعت و تعلیق

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینوی حفظہ اللہ

ابو خزیمہ عمران معصوم انصاری حفظہ اللہ

Salafi RESEARCH INSTITUTE

الإبانة عن أصول الديانة

تالیف

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ

(م 324ھ)

ترجمہ و تقدیم

ابو محمد موہب الرحیم حفظہ اللہ

مراجعت و تعلیق

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینوی حفظہ اللہ

ابو خزیمہ عمران معصوم انصاری حفظہ اللہ

سلفی

Salafi

RESEARCH INSTITUTE

الإبانة عن أصول الديانة

تالیف

إمام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ

(م 324ھ)

ترجمہ و تقدیم

ابومحمد موہب الرحیم ﷾

مراجعت و تعلیق

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینوی ﷾

ابوخزیمہ عمران معصوم انصاری ﷾

اشاعت .... مئی 2017ء

ناشر

سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ

حسین خانوالا ہٹھاڑ
تحصیل و ضلع قصور، پنجاب۔ پاکستان
+92 302 4056 187

United Kingdom
Suit M0162
265-269 Kingston Road
Wimbledon, London
SW19 3NW
Mob: +447497261845

Salafi RESEARCH INSTITUTE

mail : Info@salafiri.com Web : Info@salafir

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ

کے نام سے شروع کرتا ہوں

جو بڑا ہی مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

فہرست مضامین

مقدمہ

اللہ تعالی کی توفیق سے ہم عقیدہ کی پانچویں نادر اور قیمتی کتاب اردو زبان میں بہترین ترجمہ، تحقیق اور تعلیق کے ساتھ قارئین تک پہنچانے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ سلف کی نادر کتب کی اشاعت کرکے انھیں عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ ہماری پہلی تمام مطبوعہ کتب (رسالہ نجاتیہ، اصول السنہ للحمیدی، مجموعہ مقالات اصول السنہ لامام احمد بن حنبل، عقیدة السلف و اصحاب الحدیث للصابونی، نصیحتیں میرے اسلاف کی (دو حصے) تخریج وتحقیق کے اصول وضوابط اور نکاح وطلاق کے اصول و ضوابط) کو قارئین نے بھی محبت کی نگاہ سے دیکھا اور اللہ تعالی نے انھیں قبولِ عامہ بھی عطا فرمایا۔ والحمدللہ

یہ کتاب امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کی عقیدہ کے موضوع پر ایک اچھوتی کتاب ہے جس کو تالیف سے لے کر ہنوز عروج حاصل رہا ہے۔ یہ کتاب ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کے حوالے ہزاروں کتب میں ملتے ہیں۔

یہ کتاب اس دور کے فرق باطلہ، جہمیہ، معتزلہ وغیرہ کے باطل شبہات کے مدلل و مبرھن رد پر مشتمل ہے۔ امام اشعری رحمہ اللہ نے ان کے تمام باطل اعتراضات و اشکالات کا دندان شکن جواب دیا ہے۔ ہمارے ناقص علم کے مطابق اس کا اردو میں ترجمہ پیش کرنے کی اولیت کی سعادت مل رہی ہے۔ ترجمہ کے لیے ہم نے محترم ابو محمد موہب الرحیم حفظہ اللہ کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالی نے محترم کو ایک بہت بڑی لائبریری "المکتبة السلفیه" شیش محل روڈ لاہور میں اپنی خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ جہاں شب و روز کے مطالعہ نے ان کے اندر رسوخ فی العلم پیدا کیا وہاں مطالعہ کتب بھی ان کا مشغلہ ہے۔ فاضل مترجم نے کتاب کا نہایت سلیس

ترجمہ کیا اور مفصل مقدمہ لکھا اور بعض جگہوں پر مختصر تعلیقات کا بھی اہتمام کیا۔ حسب ضرورت ہم نے بھی تعلیقات جمع کرنے کی ادنی سی کوشش کی ہے۔ ہماری کچھ تعلیقات بڑی قوسین[ ] کے درمیان ہوں گی۔ جب کتاب کی مراجعت محترم ڈاکٹر ابوخزیمہ عمران معصوم انصاری حفظہ اللہ نے کی تو انہوں نے بہت زیادہ مقامات پر نہایت قیمتی حاشیہ لکھا اور احادیث کی تحقیق میں کئی ایک نادر حوالہ جات کا اضافہ بھی کیا۔ اور تحقیق میں جو کمی تھی وہ احسن انداز میں پوری کی۔ ہم نے محترم ڈاکٹر صاحب کا حاشیہ اور تحقیق بغیر بڑی قوسین کے درج کردی ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

اس موقع پر ایک عظیم خوشخبری دینا قارئین کے لیے مسرت سے خالی نہ ہوگا کہ ہمارا ادارہ جس طرح راشدی خاندان کے محدثین کی نادر کتب شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے اسی طرح صحیح بخاری کی دو عظیم شروحات پر بھی کام جاری ہے (۱) شیخ الاسلام حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ کی شرح صحیح بخاری بھی شائع کررہا ہے جس کو ہمارے استاد محترم محدث العصر، شیخ الحدیث محمد رمضان السلفی حفظہ اللہ نے مرتب کیا اور اپنی طرف سے کئی ایک مقامات پر تعلیقات کا اضافہ بھی کیا۔ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی اردو زبان میں پہلی دفعہ یہ وقیع علمی شرح صحیح بخاری منصۂ شہود پر آرہی ہے۔ یہ شرح دس سے زیادہ جلدوں میں ہے۔

(۲) شیخ الحدیث محدث العصر عبدالرحمن ضیاء آف جھنگ کی شرح بخاری کی مکمل ریکارڈنگ پر بھی کام جاری ہے ایک ٹیم اسے رجسٹروں پر منتقل کررہی ہے۔ اللہ تعالی یہ عظیم کام ہم سے لے لے تو یہ ایک عظیم کارنامہ اور بے مثال شرح صحیح بخاری ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ قارئین ہمارے ان عظیم کاموں کے لیے دردِ دل سے اللہ تعالی سے دعا کردیں کہ اللہ تعالی تمام مراحل میں آسانی فرمائے اور لاکھوں کے پروجیکٹ اپنی خاص رحمت اور مدد سے آسان فرمادے۔ آمین

محترم المقام جناب ابوخزیمہ عمران معصوم انصاری حفظہ اللہ کا شکرگزار ہوں جن کی دلچسپی اور سرپرستی سے الابانہ طباعت کے قابل ہوئی۔ فجزاہ اللہ خیرا۔ کتاب کے آخری

پروف ہمارے فاضل دوست الشیخ عبداللہ یوسف ذہبی ﷾ نے پڑھے۔ اس کتاب کی تیاری میں میری بہت زیادہ مدد میرے ہونہار شاگرد انجینئر محمد عثمان زکریا وفقہ اللہ متعلم جامعہ امام احمد بن حنبل قصور نے کی۔ اللہ تعالی ہمارے بیٹے کو وقت کا محدث بنائے، ان سے اپنے دین کا کام لے اور والدین کا فرمانبردار بنائے۔ آمین۔ دعا گو ہوں اپنی اہلیہ محترمہ ام رمیثہ حفظہا اللہ کے لیے جنھوں نے گھر میں پرسکون ماحول فراہم کیا اور میرے علمی کاموں میں ہمیشہ ہاتھ بٹاتی ہیں۔

اللہ تعالی ہماری اس کتاب کو مصنف، مترجم، اساتذہ و والدین ناشر اور معاونین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور قبول فرمائے۔ آمین

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینوی

رئیس جامعہ امام احمد بن حنبل، سوہڈل آباد، بائی پاس چوک، قصور

مدیر سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ برمنگھم، لاہور

10 مارچ 2017ء

عرض مترجم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم اما بعد!

دین اسلام میں داخلے کے لیے جس کلمہ طیبہ کو ادا کیا جاتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے اس عبادت کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور سے ماخوذ نہ ہو۔ توحید و شرک میں جو نسبت ہے وہی نسبت ابتداع و اتباع میں ہے۔ مومن شرک سے بھی اجتناب کرتا ہے اور بدعات سے بھی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا تو امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کچل دیا۔ اس کے بعد وقفے وقفے سے دیگر فتنے اٹھنے شروع ہوئے۔ جن میں تشیع، خروج، قدر، خلق قرآن، ارجاء، تجہم اور اعتزال وغیرہ شامل تھے۔

جس جگہ پر فتنہ اٹھتا وہاں کے علماء و اہل السنہ اس کی بیخ کنی پر لگ جاتے۔ سب سے پہلی کتاب جو عقیدہ کی لکھی گئی وہ امام اہل الرائے ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) کی "الفقہ الاکبر" ہے۔ [1] بشرط کہ یہ کتاب بسند صحیح ثابت ہو۔ مگر ایسا ہے نہیں کیونکہ یہ ابو مطیع البلخی سے مروی

---

[1] یہ بات درست نہیں ہے الفقہ الاکبر عقیدہ کی پہلی کتاب نہیں بلکہ سب سے پہلے جو عقیدہ پر رسالہ لکھا گیا تھا وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا جو ۲۵ ہجری کو فوت ہوئے "فی اثبات القدر والنھی عن الخوض فیہ" امام عبدالرحمن بن محمد بن اسحاق بن مندہ (م ۴۷۰) نے اپنی کتاب "الرد علی من یقول الم حرف" (ص: ۳۵) میں ذکر کیا ہے اور اس کا مخطوط مکتبہ الظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔ اس کے بعد امام سعید بن جبیر (م: ۹۵ھ) نے لکھا: "شرح دعائم الدین ومبانیہ کالعبادہ والاسلام والایمان والاخلاص" جس کو امام محمد بن نصر المروزی "تعظیم قدر الصلاۃ" میں ذکر کیا ہے اسی طرح امام عمر بن عبدالعزیز کے تین رسائل ہیں: (۱) التمسك ⇦⇦

ہے۔ ان کے متعلق ائمہ کا کلام معروف ہے۔ "الفقه الاكبر" کے بعد امام ابن وہب (م:۱۸۴ھ) کی کتاب "کتاب القدر" لکھی گئی، پھر ابوعبید قاسم بن سلام (م:۲۲۴ھ) کی کتاب "الایمان" لکھی گئی۔

اس کے بعد عقیدہ کی کتب کی تدوین کا طریقہ رائج ہوگیا۔ اس سے پہلے کی کوئی مستقل عقیدہ کی کتاب میرے علم میں نہیں۔ تاہم متقدمین ائمہ سے عقیدہ کے مسائل کے متعلق سوال ہوتے وہ ان کا جواب دیتے، بسا اوقات جواب ایک مختصر سا رسالہ بن جاتا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال تو صحیح مسلم میں موجود ہے۔ امام عبداللہ بن زبیر الحمیدی (م:۲۱۹ھ) جن کی کتاب (اصول السنہ) متداول ومعروف ہے۔ یہ اگرچہ ابوعبید سے متقدم ہیں مگر ان کی یہ کتاب مستقل تالیف نہیں۔ بلکہ ان کی مسند کا آخری حصہ ہے جن میں انھوں نے اپنا اعتقاد ذکر کیا۔ یہ رسالہ قیمتی شرح کے ساتھ سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ برمنگھم، لاہور نے شائع کردیا ہے۔

عقائد کے متعلق لکھی گئی کتب مختلف اعتبار سے مختلف نوعیت کی ہیں۔ بعض کتب میں صرف اپنا اعتقاد ذکر کیا جاتا۔ بعض کتب میں اپنا اعتقاد اور متقدمین کے آثار بھی نقل کیے جاتے۔ بعض کتب عقیدہ کے کسی خاص پہلو کے حوالے سے مدون کی جاتیں۔ بعض کسی خاص بدعتی فرقے کے رد کی غرض سے لکھی جاتیں۔

ہماری زیر نظر کتاب ان کتب میں سے جس میں مؤلف نے اپنے اعتقاد کو (جس کو مذہب اہل السنہ اور امام احمد کا اعتقاد کہا ہے) بیان کیا ہے اور معتزلہ کا بالخصوص رد کیا ہے۔ یہ

⇦ بالسنة واثبات القدر۔ (۲) اثبات القدر والرد على القدريه۔ (۳) التمسك بالسنة وما كان عليه السلف الصالح۔ ایک رسالہ امام ضحاک بن مزاحم (م:۱۰۵ھ) کی طرف منسوب ہے "في كلام عن الايمان و شبعه" ایک رسالہ ابن ابی الزناد عبداللہ بن ذکوان (م:۱۳۱ھ) نے لکھا "في بيان منزلة السنة والتحذير من الرأى" اس کے علاوہ بہت سی کتب ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے الجامع فی عقائد ورسائل اہل السنۃ والاثر لعادل حمدان اور دیکھیے تاریخ تدوین العقیدہ السلفیہ لسعید الکریم بن برجس۔

کتاب چند وجوہ سے نہایت اہمیت کی حامل ہے:

① مؤلف کی زندگی کے مختلف ادوار ہیں۔ یہ کتاب آخری دور کی ہے اسی لیے اس میں موجود عقیدہ ہی مؤلف کا آخری عقیدہ ہے۔

② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد عقیدہ میں سلف کے عقائد کے نمائندہ مترجم سمجھے جاتے تھے۔

③ مؤلف چونکہ خود معتزلی تھے، اس لیے ان کا رد بہت جان دار ہے۔

④ نیز مؤلف علم کلام میں علو کعب اور مہارت تامہ کے باعث معتزلہ سے مناظرہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔

⑤ اس کتاب سے امام اشعری اور اشاعرہ میں موجود فرق واضح ہوتا ہے۔

⑥ ہمارے ہاں جو احباب امام اشعری اور ابو منصور ماتریدی (م ۳۳۳ھ) کو ائمہ ہدی اور عقیدہ میں یک جان تسلیم کرتے ہیں اور خود عقائد میں مفوضہ، مؤولہ اور جہمیہ ہیں ان کے لیے یہ کتاب نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ ممکن ہے آنکھوں پر پڑے پردے کھل جائیں اور امام اشعری کے آخری عقیدہ کو اپنا لیں اور تاویل سے تائب ہو جائیں۔

اس کے علاوہ اور بھی متعدد وجوہ سے یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر شیخ ابراہیم بن بشیر الحسینوی ﷾ مدیر سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ نے مجھے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کا کہا۔ ان کی مسلسل ترغیب پر اس کتاب کا ترجمہ کیا گیا۔ فجزاہ اللہ خیرا۔ اللہ تعالی اس کو مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ آمین

ہماری یہ کاوش دو محفلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی محفل میں پانچ نشستیں ہیں:

پہلی نشست میں امام صاحب کا مختصر تعارف ہے۔

دوسری نشست میں امام صاحب کے تطور اور عقیدے کا مفصل تذکرہ ہے۔

تیسری نشست کتاب میں موجود بعض اصطلاحات کی توضیح پر مشتمل ہے۔
چوتھی نشست میں کتاب میں موجود فرقوں کا تعارف ہوگا۔
پانچویں نشست الابانہ کے نسخوں کی وضاحت اور کفارہ مجلس پر مشتمل ہے، جبکہ دوسری محفل میں کتاب کا ترجمہ ہے۔

ابو محمد موہب الرحیم
غفر اللہ لہ لاہور۔ پاکستان

پہلی نشست:

امام ابو الحسن الاشعری (۲۶۰۔ ۳۲۴ھ)

ابو الحسن علی بن اسماعیل بن ابو بشر اسحاق بن سالم بن اسماعیل بن عبداللہ بن موسیٰ بن بلال بن ابی بردہ بن ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ آپ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ۲۶۰ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، ایک قول کے مطابق ۲۷۰ھ میں متولد ہوئے۔

اساتذہ:

آپ کے چند اساتذہ یہ ہیں: (۱) ابو خلیفہ الجمحی، (۲) سہل بن نوح، (۳) زکریا ساجی۔ اہل السنۃ کا عقیدہ آپ نے انھی سے لیا تھا۔ ❶ (۴) ابو علی الجبائی۔ توبہ سے قبل اعتزال میں آپ کے یہی استاذ تھے، بلکہ بعض نے آپ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ جبائی نے آپ کی والدہ سے شادی کی تھی۔ ❷ (۵) ابن سریج۔ کہا جاتا ہے آپ نے فقہ انھیں سے حاصل کی۔

تلامذہ:

آپ کے چند مشہور تلامذہ یہ ہیں: (۱) ابو الحسن الباھلی، (۲) ابو الحسن الکرمانی، (۳) ابو زید مروزی، (۴) ابو عبداللہ بن مجاہد بصری، (۵) بندار بن حسین شیرازی، (۶) زاہر بن احمد سرخسی، (۷) ابو سہل صعلوکی، (۸) ابو نصر کواز۔

عقیدہ:

امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کی زندگی کے راجح قول کے مطابق تین ادوار ہیں۔ چالیس سال کے قریب عرصہ آپ ابو علی الجبائی معتزلی کے کبار اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ پھر ایک وقت آیا آپ ابن کلاب کی طرف مائل ہو گئے اور معتزلہ سے براءت کا اعلان کیا۔ پھر اللہ

❶ البداية والنهاية: ۱۲/۲۶۔ ❷ الوافي: ۲۰/۱۳۸۔

تعالیٰ نے آپ کو اہل السنۃ کے منہج وعقیدہ کے قریب کر دیا۔ آپ کا عقیدہ ان شاءاللہ مستقل نشست میں آگے بیان ہوگا۔

امام موصوف کا مذہب:

لوگ جن اصحاب سے محبت کرتے ہیں ان کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، کبار محدثین حتی کہ ائمہ مجتہدین جو مجتہد مطلق تھے اصحاب مذاہب ان کو بھی اپنے اپنے مسلک کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں بالکل یہی امام موصوف کے ساتھ بھی ہوا۔

ابن السبکی لکھتے ہیں: امام موصوف شافعی تھے، ابو اسحاق مروزی سے فقہ حاصل کی۔ ابن فورک نے طبقات المتکلمین میں ابن فورک نے اس پر نص ذکر کی ہے۔

ابو محمد جوینی نے شرح الرسالہ میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے ابو اسحاق اسفرائینی سے بھی فقہ حاصل کی۔ ❶

امام ابن کثیر نے بھی آپ کو شوافع میں شمار کیا ہے۔ ❷

بعض مالکی علماء کا دعوی ہے کہ آپ مالکی تھے۔ سبکی نے ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ بن عمار کلائی سے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب مالکی المذہب تھے۔ ❸

ابن عساکر ابو عبداللہ کلائی سے ذکر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: مجھ سے بعض شوافع نے یہی کہا کہ امام صاحب شافعی تھے حتی کہ میں شیخ فاضل رافع حمال فقیہ کو ملا تو انھوں نے اپنے شیوخ سے نقل کیا کہ ابو الحسن مالکی تھے۔ ❹

داودی نے بھی طبقات المفسرین: ۱/۳۹۷ میں آپ کو مالکی شمار کیا ہے۔ ابن فرحون نے بھی آپ کو مالکی قرار دیا ہے۔

بعض لوگوں کو گمان ہے کہ موصوف حنفی تھے۔ مسعود بن شیبہ حنفی نے کتاب التعلیم میں

---

❶ طبقات الشافعیہ: ۳/۳۵۲۔ ❷ البدایہ: ۱۲/۱۲۶۔

❸ طبقات الشافعیہ: ۳/۳۶۶۔ ❹ تبیین کذب المفتری: ۱۱۷۔

آپ کو حنفی المذھب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ زاہد کوثری نے "تبیین کذب المفتری" کے حاشیہ میں نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔ ❶

اسی بنیاد پر عبد القادر قرشی نے آپ کو جواھر المضیة فی طبقات الحنفیه ٣٣/٤ میں ذکر کیا ہے۔

میری نظر میں راجح بات یہ ہے کہ موصوف شافعی تھے، اگرچہ اس پر بھی کوئی حتمی دلیل نہیں تاہم قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

تالیفات:

مسائل عقیدہ میں فلاسفہ، ملحدین، اصحاب طبائع اور معتزلہ وغیرھم کے رد میں موصوف کی کثیر کتب ہیں۔ فن تفسیر میں بھی آپ نے حصہ لیا ہے۔ آپ ایک کثیر التصانیف اور متنوع فنون پر دسترس رکھنے والے تھے۔ آپ کی چند ایک کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱: جوابات اهل فارس

۲: ادب الجدل

۳: الجوهر فی الرد علی اهل الزیغ والمنکر

۴: العمد فی الرؤية

۵: استحسان الخوض فی علم الکلام

۶: متشابه القرآن

۷: النقض علی ابن الراوندی

۸: رسالة الی اهل الثغر

۹: اللمع

۱۰: مقالات الاسلامین

۱۱: الابانه عن اصول الدیانه

---

❶ تبیین کذب المفتری: ١١٧ / حاشیه۔

۱۲: المختزن فی تفسیر القرآن کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر ستر جلدوں میں تھی۔
ابن العربی نے قانون التاویل (ص: ۴۵۶) میں ذکر کیا ہے کہ یہ پانچ سو جلدوں پر مشتمل تھی۔ ❶

ثناء وفضائل:

ابوالحسن باہلی کہتے ہیں: میری شیخ اشعری سے وہی نسبت ہے جو قطرے کی سمندر سے ہے۔ ❷

باقلانی کہتے ہیں: میرا سب سے افضل حال یہ ہے کہ میں ابوالحسن کے کلام کو سمجھ لوں۔ ❸

احمد بن علی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن کی بصری میں کئی سال خدمت کی، بغداد میں بھی وفات تک آپ کی صحبت میں رہا۔ میں نے آپ سے بڑھ کر پرہیز گار نظر س پست رکھنے والا، دنیا کے امور میں حیادار اور آخرت کے امور میں چاق وچوبند کوئی نہیں دیکھا۔ ❹

ابوعمرورز جاہی کہتے ہیں: میں نے ابوسہل صعلوکی یا امام ابوبکر اسماعیلی سے سنا فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اس دین کو احمد بن حنبل، ابوالحسن اشعری اور ابونعیم استراباذی کے سبب لوٹایا۔ ❺

سبکی کہتے ہیں: اگر شیخ کے مناقب کا ہم استیعاب کرنا چاہیں تو صفحات تنگ پڑ جائیں اور قلمیں چور ہو جائیں۔ ❻

وفات:

آپ کی وفات کے متعلق متعدد اقول ہیں۔ ابوبکر وزان سے مروی ہے کہ آپ

---

❶ امام ابن عساکر نے اور کتب کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً کشف الاسرار، فصول فی الرد علی الملحدین والخارجین عن الملة کالفلاسفة والطبائعین والدهریین و اهل التشبیه۔ (التبیین ص:۱۲۸) نیز ابن عساکر نے المختزن فی التفسیر کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی ۵۰۰ جلدیں ہیں۔

❷ تبیین:۱۲۵۔ ❸ تبیین :۱۲۶۔ ❹ تبیین:۱٤۱۔

❺ طبقات للسبکی:۳/۳۵۱۔ ❻ طبقات:۳/۳۵۱

۳۳۰ ھجری کے بعد فوت ہوئے۔ ابن عساکر کہتے ہیں: یہ تاریخ وفات غلط ہے۔ ❶

ایک قول کے مطابق آپ ۳۳۱ ھجری میں فوت ہوئے۔ ابن الجوزی آپ کو اسی سن کی وفیات میں لائے ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ ۳۲۴ ھجری میں فوت ہوئے۔ یہی قول راجح ہے ابن فورک اور بعض دیگر علماء سے یہی مروی ہے۔ ❷

ابوعلی زاہر بن احمد کہتے ہیں: ابوالحسن اشعری فوت ہوئے تو آپ کا سر میری گود میں تھا۔ آپ حالت نزعہ میں کچھ کہہ رہے تھے، میں نے اپنا کان قریب کیا تو آپ کہہ رہے تھے: ''اللہ معتزلہ پر لعنت کرے انھوں نے تمویہ کی ہے۔'' ❸

آپ کے حالات ان کتب میں ملاحظہ کریں:

تاريخ بغداد : (۱۳/۲٦۰)، المنتظم (۱٤/۲۹)، سير اعلام النبلاء (۱٥/۸۷)، تاريخ الاسلام(۲٤/۱٥٤)،البدايه والنهايه(۱۲/۱۲٦)، تبيين كذب المفترى۔ شذارت الذهب،الجواهر المضيه فى طبقات الحنفيه (٤/۳۳)، طبقات الشافعيه(۳/۳٤۷۔ ٤٤٤)، الانساب(۱/۲۷۳)، الوافى بالوفيات (۲۰/۱۳۷)،الموسوعة الميسرة فى تراجم الأئمة (۲/ ۱٥٦۸)، طبقات الحنفية لقنالى زاده(۲/۱۲)،مرآة الجنان فى حوادث سنة ۳۳۰هـ (۲/۲۲٤)، طبقات المفسرين للداودى(۱/۳۹٦)،الديبا ج المذهب (۲/۹٤)، وفيات الاعيان(۳/۲۸٤)،نشأة الاشعرى وتطورها(۱٦٥۔ ۲۰۷)،شعبة العقيدة بين ابى الحسن الاشعرى والمنتسبين اليه(ص:۲۰۔ ٥٥)، موقف ابن تيميه من الاشاعرة(۳۲۹۔ ٤۳٤)،الدولة السلجوقية۔ (۳۹۹۔ ٤۲۹)، اتحاف السادة المتقين بشرح أسرار احياء علوم الدين لمرتضى الزبيدى:۲/۳،طبقات ابن قاضى شهبه:۱/۱۱٤،۱۱۳

---

❶ تبين :۱٤٦۔ ❷ تبيين:۱٤۷۔

❸ تبيين:۱٤۸۔

دوسری نشست:

امام ابوالحسن اشعری کا عقیدہ

پہلا دور:

امام صاحب کا ابتدائی عرصہ بلکہ زندگی کا ایک بڑا حصہ جو تقریبا چالیس سال پر مشتمل ہے وہ معتزلہ کے ساتھ گزرا۔ اس دوران آپ انھیں کے ہم نوا رہے۔ ابو محمد حسن بن محمد عسکری کہتے ہیں: اشعری ابو علی جبائی کے شاگرد تھے۔ ان سے سیکھتے رہے۔ چالیس سال تک ان سے جدا نہیں ہوئے۔ ❶

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دے دی۔ پندرہ دن تک آپ غائب رہے۔ پھر جامع مسجد آکر منبر پر چڑھے اور کہا: لوگو! میں اتنی مدت غائب رہا، میں نے غور کیا تو مجھے تمام ادلہ برابر لگیں، کچھ بھی راجح معلوم نہ ہوا۔ پھر میں نے اللہ سے ہدایت طلب کی، اللہ نے مجھے اس کی ہدایت دے دی جو میں نے اپنی کتب میں لکھا ہے۔ میں اپنے تمام سابقہ اعتقادات سے اس طرح نکل رہا ہوں جس طرح اپنے اوپر کا یہ کپڑا اتار رہا ہوں، یہ کہہ کر انھوں نے اپنی چادر اتار دی۔ اور اہل السنہ کے مذہب کے مطابق جو کتب لکھی تھیں وہ لوگوں کو دے دیں۔ ❷

یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ رمضان میں سو رہے تھے، نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: علی! مجھ سے مروی مذاہب کی نصرت کرو۔ یہ حق ہیں۔ پھر جب

---

❶ تبیین: ۹۱۔

ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ کی پرورش ایک مشہور معتزلی امام کے گھر میں ہوئی جس کا نام محمد ابن عبدالوہاب الجبائی تھا جو ان کی والدہ کا خاوند تھا اور ابو علی الجبائی کے نام سے مشہور تھا۔ تقریبا چالیس سال اشعری نے جبائی کے ساتھ وقت گزارا۔ یہاں تک کہ خود امام ابوالحسن الاشعری معتزلیوں کے امام بن گئے۔ دیکھیے (العقیدۃ الاسلامیہ و تاریخھا ص: ۱۲۳)

❷ طبقات: ۳/۳۴۷۔ تبیین ص: ۱۱۳، ۴۰، ۳۹۔

بیدار ہوئے تو ایک عجیب حالت میں مبتلا تھے۔ اس خواب کے متعلق آپ فکر مند رہے۔ یہ خواب پہلے عشرے میں آپ نے دیکھا تھا دوسرے عشرے میں پھر آپ کو زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جس کا میں نے حکم دیا تھا اس کا کیا کیا؟ کہتے ہیں: میں نے کہا: میں کیا کروں گا جب کہ آپ سے مروی مذاہب کے صحیح محامل یہاں ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے مروی مذاہب کی نصرت کرو وہی حق ہیں۔ ❶

دوسرا دور اور معتزلہ سے مناظرے:

یہاں سے آپ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے اس دور کو کلامی دور کہا جاتا ہے۔ اعتقاد معتزلہ سے توبہ کے بعد امام اشعری معتزلہ سے مناظرے کرنے لگے اور ان رد میں کتب لکھنے لگے۔ ابو سہل صعلوکی کہتے ہیں: ہم ابو الحسن اشعری کے ساتھ بصرہ میں ایک علوی کے ساتھ مناظرہ کے لیے آئے امام صاحب نے معتزلہ سے مناظرہ کیا۔ اللہ ان کو ذلیل کرے یہ کثرت میں تھے۔ ابو الحسن نے سب کو شکست دے دی۔ ❷

ابو بکر صیرفی کہتے ہیں: معتزلہ نے اپنے سر بلند کر رکھے تھے۔ حتی کہ اللہ نے اشعری کو ظاہر کیا انھوں نے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ ❸

ابن خفیف نے آپ کے ایک مناظرے کا مشاہدہ کیا تو آپ کی علم و فصاحت سے

❶ بہت سے علماء نے ابو الحسن اشعری کی توبہ کا ذکر کیا ہے مثلا ابوبکر بن فورک نے کہا: ابو الحسن الاشعری اعتزال کے مذہب سے واپس لوٹ کر مذہب اہل السنہ پر ۳۰۰ھ میں آئے۔ (وفيات الاعيان: ٤٤٦/٢) امام ابن کثیر نے کہا: ابو الحسن معتزلی تھے پھر بصرہ میں توبہ کی اور پھر منبر پر چڑھ کر معتزلہ کی قباحتوں پر تبصرہ کیا۔ (البداية والنهاية: ١٨٧/١١) امام ذہبی نے اسی طرح کی بات کہی ہے۔ (العلو لعلي الغفار ص: ٢٨٤) ابن فرحون نے کہا: پہلے ابو الحسن اشعری معتزلی تھے پھر مذہب حق پر گامزن ہوئے یعنی مذہب اہل السنہ۔ بہت سے لوگوں کو تعجب ہوا اور اس کا سبب پوچھا۔ تو ابو الحسن اشعری نے کہا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو رمضان میں خواب میں دیکھا ہے اور انھوں نے مجھے اہل حق کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ والحمد للہ تعالی۔ (الديباج المذهب: ٩٦/٢) الزبیدی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ (اتحاف السادة المتقين: ٢/٢)

❷ طبقات: ٣٤٩/٣۔ ❸ طبقات: ٣٤٩/٣، تبيين۔

متعجب ہوئے۔ [1]

معتزلہ سے ایک مناظرہ:

ابوعلی جبائی سے ایک روز آپ کہنے لگے: شیخ! مومن، کافر اور بچے کے متعلق آپ کا کیا موقف ہے؟ جبائی نے جواب دیا: مومن اہل درجات میں سے، کافر ہلاک ہونے والوں میں سے اور بچہ اہل نجات میں سے۔ شیخ نے کہا: اگر بچہ اہل درجات تک جانے کی کوشش کرے تو کیا یہ ممکن ہے؟ جبائی نے کہا: اس بچے سے کہا جائے گا: مومن نے یہ درجہ اطاعت سے پایا ، ورتم نے اطاعت نہیں کی۔ شیخ نے کہا: اگر بچہ کہے: یہ تقصیر مجھ سے نہیں۔ اگر مجھے تو زندہ رکھتا تو میں بھی اسی طرح اطاعت کرتا۔ جبائی نے کہا: اللہ اس سے کہے گا: میں جانتا تھا کہ اگر تو باقی رہا تو نافرمانی کرے گا اور میں تجھے سزا دوں گا۔ سو میں نے تیری مصلحت کا سن تکلیف تک پہنچنے سے پہلے خیال رکھا۔ شیخ نے کہا: اگر کافر نے یہ کہہ دیا کہ اے رب! جس طرح تو نے اس کی مصلحت کا خیال رکھا میری مصلحت کا خیال کیوں نہیں رکھا؟ یہ جواب سن کر جبائی لاجواب ہو گیا۔

سبکی کا رد:

یہ قصہ ذکر کر کے عبدالوہاب سبکی لکھتے ہیں: یہ مشہور واقعہ ہے جسے ہمارے شیخ ذہبی نے حکایت کیا ہے۔ اور جو ذہبی کی تقلید کرتے ہیں یہ قصہ ان کے ایک اصول کی جڑ کاٹتا ہے۔ چونکہ وہ کہتے ہیں: اللہ کوئی بھی کام حکمت باعثہ اور مصلحت واقعہ کے بغیر نہیں کرتا۔ یہ معتزلہ کا مسئلہ ہے۔ اگر ہمارے شیخ کو یہ علم ہوتا تو وہ یہ قصہ کبھی ذکر نہ کرتے۔ [2]

---

[1] اس دوسرے دور میں امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کا شدت کے ساتھ رد کیا اس کے باوجود وہ عقیدہ اہل السنہ پر گامزن نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس دوسرے دور میں ابن کلاب کے عقیدہ اور فکر کو اتنا پھیلایا کہ لوگ انہی ہی کو ابن کلاب کے عقیدہ کا بانی کہنے لگے۔ یہی وہ دور ہے جس کی آج کل کے اکثر اشاعرہ تبلیغ کرتے ہیں۔

(العقيدة الاسلامية و تاريخها ص:١٢٥)

[2] طبقات:٣/٣٥٦.

سبکی کی اس عبارت پر ہم سردست دو ملاحظے ذکر کرتے چلیں:

پہلا ملاحظہ:......سبکی امام ذہبی کے خاص شاگرد ہیں اور خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس فن میں یہ امام ذہبی ہی سے متخرج ہوئے۔ اس کے باوجود سبکی امام ذہبی پر مختلف اتہامات لگاتے ہیں اور حد ادب سے بھی نکل جاتے ہیں۔ سبکی ایک جگہ امام ذہبی کو مسکین لکھتے ہیں اور کہتے ہیں: اس شخص پر افسوس ہے۔ سبکی امام ذہبی کے متعلق کہتے ہیں کہ انھوں نے اشعری کے ترجمہ میں انصاف نہیں کیا اور اہل حق کی تلوار سے ڈرتے ہوئے صریح طور پر اشعری کی تنقیص نہیں کر سکے۔ مگر ان کا ترجمہ مختصر بیان کیا ہے۔ اور ابن عساکر کی کتاب تبیین کذب المفتری کا حوالہ دے دیا ہے۔

مزید کہتے ہیں: آپ کو اس تقصیر کی گنجائش کیسے جب کہ آپ نے جس بھی مجسم کا ترجمہ نقل کیا ہے اسے طویل اور مکمل ذکر کیا ہے۔ حتی کہ آپ کی کتاب میں ایسے صغار حنابلہ کا بھی تذکرہ ہے جن کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ آپ ان کے تراجم کئی اوراق میں لائے ہیں۔ کیا آپ اس شیخ کو ان کا حق دینے سے عاجز تھے؟ [1] یاد رہے کہ سبکی نے صرف امام ذہبی پر اتہامات ہی نہیں لگائے بلکہ کئی ایک اہل السنہ کے ائمہ پر بھی اتہامات لگائے ہیں:

اسماعیل صابونی کے ترجمہ میں آپ نے اہل ہرات پر الزام تراشی کی ہے کہ انھوں نے ان کے مقابلہ میں ابو اسماعیل انصاری کو شیخ الاسلام کہا۔ امام الحرمین کے ترجمہ میں بھی آپ نے اپنے شیخ ذہبی پر تحامل کیا ہے۔ آپ مزی، ذہبی اور برزالی کے متعلق کہتے ہیں: انھیں ابن تیمیہ نے خراب کر دیا تھا۔ [2] دراصل سبکی خود متعصب اشعری شافعی ہیں حتی کہ احمد بن ابراہیم عزالدین کنانی (م ۸۱۹ھ) کہتے ہیں: سبکی کم ادب، غیر منصف بندہ ہے، اہل السنہ اور ان کے مرتبے سے جاہل ہے۔ [3]

امام سخاوی سبکی کی ایک عبارت پر تعلیق لگاتے ہوئے کہتے ہیں: یہ اعجب العجاب اور

---

[1] طبقات: ۳/۳۵۳۔ [2] طبقات: ۱۰/۴۰۰۔

[3] الاعلان بالتوبیخ: ۱۰۱۔

زیادہ تعصب پر مشتمل ہے۔ ❶ سبکی کی جو شخص بھی نظر انصاف سے تاریخ دیکھے گا وہ اس بات کا اقرار کیے بغیر نہ رہے گا کہ عبدالوہاب سبکی غفر اللہ لہ کو شافعیہ اور اشاعرہ کی محبت نے خراب کر دیا ہے۔ وقد صدق من قال: حبك الشيء يعمى و يصم۔ الموسوعة الميسرة میں ہے کہ سبکی سر سے پیر تک اشعری ہیں۔ ❷ یہ ایک مستقل موضوع ہے کہ کوئی شخص سبکی کے اتہامات کا جائزہ لے۔

یاد رہے کہ امام ذہبی نے مجسمہ اور مشبہ لوگوں کی مدح میں قطعا مبالغہ نہیں کیا بلکہ وہ تو حنابلہ کی اغلاط بھی ذکر کرتے ہیں۔ ابوالحسن زغوانی حنبلی کے ترجمہ میں ان کا شعر ذکر کیا ہے جس میں استوى على العرش کے متعلق (بذاته) کی قید ہے۔ ذہبی نے فورا ان کا تعاقب کیا کہ یہ قید نہ لگانا ہی صحیح ہے۔ شیخ الاسلام ابواسمٰعیل الانصاری کے ترجمہ میں ذہبی ان کی کتاب "الفاروق" اور "منازل السائرین" پر نقد کرتے ہیں۔

دوسرا ملاحظہ:...... اشاعرہ کے نزدیک اللہ کے احکام حکمت سے عاری ہیں۔ جبکہ معتزلہ حکمت کے قائل ہیں۔ اشعری اور جبائی کے مناظرہ کے متعلق سبکی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ذہبی اور ان کے مقلدین کے اصول کی یہ مناظرہ جڑ کاٹ دیتا ہے۔ دراصل اہل السنہ المحضۃ بھی حکمت کے قائل ہیں۔ اگر جبائی معتزلی کو اس کا جواب نہیں آیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی سلفی سنی بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اہل السنہ کے ہاں اللہ جس کو اپنا فضل دینا چاہتا ہے اپنی حکمت سے دیتا ہے۔ کوئی بھی بذات خود اللہ کے فضل کا مستحق نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ذلك فضلي اوتيه من اشاء) ❸

امام اشعری رحمہ اللہ نے اکثر کتب اپنے اسی دور میں لکھی ہیں۔ اس دور کو کلابی دور اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسئلہ کلام اور دیگر چند مسائل میں آپ نے ابن کلاب کی موافقت کی۔ قرشی کہتے ہیں: جبائی سے جدا ہو کر آپ ابن کلاب جیسے لوگوں سے آملے۔ ❹ ابن کلاب

❶ الاعلان: ١٠١.
❷ الموسوعة الميسرة: ١٥٦٦/٢.
❸ صحيح البخاري: ٥٣٢.
❹ الجواهر: ٣٤/٤.

کے ہاں کلام نفس میں ہوتا ہے۔ اور یہ قدیم ہے جبکہ معتزلہ کے ہاں قرآن مخلوق ہے۔ ابن کلاب کا یہ موقف اہل السنہ کے موقف کے خلاف تھا۔ اہل السنہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صوت وحروف سے جب چاہے کلام کرتا ہے۔ وہ ازل سے متکلم ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔

ابن الجوزی لکھتے ہیں: اشعری نے ایک مقالہ ظاہر کیا جس سے فتنے پھیل گئے۔ لوگوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ مسموع اللہ کا کلام ہے اور اس کو لے کر جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ معتمد علیہ ائمہ نے اسے قدیم کہا اور معتزلہ نے مخلوق۔ جب کہ اشعری نے کہا: یہ اللہ کا کلام نہیں، اللہ کا کلام اس کی ذات سے قائم صفت ہے نہ تو وہ نازل ہوئی ہے اور نہ ہی وہ مسموع ہے۔ [1] ذیل میں ابن کلاب کا مختصر تعارف ملاحظہ کریں۔

ابن کلاب اور دوسرا دور:

ابو محمد عبداللہ بن سعید بن کلاب القطان۔ آپ نے کئی ایک کتب معتزلہ کے رد میں لکھیں۔ آپ کہتے تھے کہ مخلوق پر علو باری نص کے مطابق فطرت اور عقل سے معلوم ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کئی کتب میں آپ کی تعریف کی ہے۔ آپ اکثر مسائل میں اہل السنہ کے موافق تھے۔ [2]

مقالات الاسلامیین میں اشعری اصحاب الحدیث کا مذہب ذکر کر کے فرماتے ہیں: عبداللہ بن سعید کے اصحاب بھی اکثر وہی باتیں کہتے ہیں جو ہم نے اصحاب الحدیث سے ذکر کی ہیں۔ [3]

---

[1] المنتظم: ١٤/ ٢٩.

[2] ابوالحسن اشعری نے ابن کلاب کا منہج اس لیے اختیار کیا کہ یہ معتزلہ کے منہج سے بہتر تھا اور عقیدہ اہل السنہ کے زیادہ قریب تھا۔ اور اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات کا اثبات کرتے تھے جو عقل وفطرت کے سمجھ وفہم کے موافق ہوں۔ کچھ اور وجوہات کی بنا پر ابوالحسن نے ابن کلاب کا عقیدہ اختیار کیا۔ اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ الاشعری ابن کلاب سے زیادہ مشہور تھے اس لیے الاشعری عقیدہ کہا جاتا ہے نہ کہ کلابیہ عقیدہ۔ (العقیدۃ الاسلامیہ و تاریخھا ص: ١٢٣_١٢٤)

[3] مقالات ١/ ٣٢٥.

ابن تیمیہ نبوات میں ابن کلاب جیسے لوگوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ جہمیہ نہیں، بلکہ جہم کی بعض باتوں میں اس کے موافق ہیں اور بعض میں مخالف۔ یہ سلف اور اہل السنہ والحدیث کے سب سے قریب لوگوں میں سے ہیں۔ [1]

ابن کلاب کی بعض مسائل میں جہم سے موافقت اور صفت کلام کے متعلق محدث رائے کی بنیاد پر ہی بہت سارے ائمہ نے آپ پر جرح بھی کی ہے۔ جن میں ابن خزیمہ، ابوطاہر السِلفی ،ابوعلی حامد ہروی ،ابن شاقلا، ابوعبداللہ ابن مندہ اور امام احمد امام اہل السنہ والجماعہ شامل ہیں۔ ابن تیمیہ درء تعارض العقل والنقل (٢/٦) میں کہتے ہیں: حارث المحاسبی ،ابن کلاب کے قول کی طرف منسوب تھے۔ اسی لیے احمد نے ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ ابن کلاب سے لوگوں کو ڈرایا کرتے تھے۔

ابن تیمیہ الاستقامہ (١/١٠٥) میں کہتے ہیں: کلابیہ ہی اشاعرہ کے مشائخ ہیں ابوالحسن اشعری نے ابومحمد بن کلاب کا طریقہ اپنایا۔ ابن کلاب زمانے اور طریقے کے اعتبار سے سلف کے زیادہ قریب تھے۔ [2]

تیسرا دور:

امام صاحب کا ایک دور غیر مختلف فیہ ہے اور یہ وہ دور ہے جس میں آپ اعتزال کے مذہب پر رہے، اس سے اگلے دو ادوار میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ کے صرف دو دور ہیں۔ ان میں مزید اختلاف ہے، بعض کے نزدیک پہلا دور اعتزال کا اور دوسرا مذہب اہل السنہ والا جبکہ بعض کے نزدیک پہلا دور اعتزال کا اور دوسرا وہ دور ہے جس پر اشاعرہ چلے۔

---

[1] النبوات:١٤٣۔

[2] اس دور میں کچھ مشہور فقہاء نے ابوالحسن اشعری کی پیروی کی مثلا ابوبکر باقلانی الشہرستانی، الرازی، الغزالی، امام الحرمین اور ان کے بیٹے نے۔ انہوں نے اس دور کی اچھی خاصی تبلیغ کی اور لوگوں کو دعوت دی اور کتابیں لکھیں اس بنا پر الاشاعرہ کا مذہب بہت پھیلا۔ جب امام ابوالحسن اشعری نے ٣٨٠ھ میں شام کا رخ کیا تو وہاں ان کا مذہب بھی پھیلا۔ (العقیدة الاسلامیہ و تاریخھا ص:١٢٦)

بعض علماء کے نزدیک امام صاحب کے دو نہیں تین دور ہیں۔ ان میں بھی دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ اعتزال سے تائب ہو کر آپ اس مذہب پر چلے جس پر آج کل کے اہل الحدیث ہیں (یعنی اہل السنہ کے مذہب پر چلے) پھر مزید تحقیق کی تو اس مذہب پر آ گئے جو اشاعرہ کا مذہب ہے۔ ❶ بعض علماء کے نزدیک آپ اعتزال سے تائب ہوئے، پھر کلابی ہوئے اور پھر اہل السنہ کے مذہب کو قبول کر لیا۔ بعض علماء کے نزدیک آپ نے خالص اہل السنہ کے مذہب کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ ابن کلاب کے مذہب کا کچھ حصہ بھی آپ میں موجود رہا۔ جب کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ نے مکمل طور پر خالص مذہب اہل السنہ کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ جس بات کی تائید امام اشعری کی کتب اور محققین ائمہ سے ہوتی ہے وہ یہی رائے ہے کہ اشعری اگرچہ الابانہ اور مقالات الاسلامیین میں مذہب اہل السنہ کے بہت قریب آ گئے مگر اس کے باوجود ابن کلاب کے مذہب کا کچھ حصہ بھی ان میں باقی رہا۔ جیسا کہ خود الابانہ میں مسئلہ استطاعت اور مسئلہ کلام میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ ❷

ہم یہاں ذیل میں اس بات کی چند ادلہ ذکر کرتے ہیں کہ الابانہ امام اشعری کی آخری کتب میں سے ہے: ❸

---

❶ دیکھیے: اللمع و مقدمته لمحمود غرابه ص:۷.

❷ ابن کثیر وغیرہ نے کہا کہ ابو الحسن اشعری تین احوال سے گزرے ہیں:

(۱)..... اعتزال۔ جس سے انہوں نے بعد میں توبہ کی۔

(۲)..... جہاں انہوں نے سات صفات عقلیہ کا اثبات کیا حیاۃ، علم، القدرۃ، الارادۃ، السمع، البصر، کلام اور صفات الخبریہ کی تاویل مثلاً: الوجہ، الیدین، القدم، والساق۔ یہ ابن کلاب کا طریقہ تھا جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے۔ (درء تعارض العقل والنقل :۲/۴)

(۳)..... اس دور میں کل صفات کا اثبات کیا گیا بغیر تکییف وتشبیہ جو طریقہ سلف تھا اور اسی طریقہ کو الابانہ میں ذکر کیا جو انہوں نے تصنیف کی۔ (طبقات الشافعیه :۱/۲۱۰)

❸ بے شمار علماء نے الابانہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ تبیین کذب المفتری ص:۱۲۸، ۱۵۲، امام بیہقی نے بھی کہا کہ علی بن اسمٰعیل (ابو الحسن الاشعری) نے کتاب الابانہ لکھی جس میں انہوں نے قرآن کے متعلق کہا کہ یہ اللہ ⇦⇦

۱: امام اشعری کے بعض اصحاب نے وضاحت کی ہے کہ الابانہ موصوف کی آخری کتاب ہے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ نے کہا ہے۔ ❶

۲: امام ابن کثیر سے زبیدی نے اتحاف السادۃ المتقین میں نقل کیا ہے کہ اشعری تیسرے دور میں تمام صفات کا بغیر تکییف وتشبیہ کے اثبات کرتے تھے۔ اور یہی الابانہ میں موصوف کا طریقہ ہے جو کہ انھوں نے آخر میں لکھی۔

۳: اسی الابانہ کے ذریعے علماء امام اشعری کا دفاع کرتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ ابن عساکر (م:۵۷۱ھ) ابن درباس (م:۶۵۹ھ) وغیرہ نے کہا ہے۔

۴: بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اشعری نے اپنی کتاب العُمُد جس میں اپنی تصنیفات کا ذکر کیا ہے اس میں الابانہ کو درج نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الابانہ (اللمع) کے بعد لکھی گئی۔ ❷

۵: مزید برآں کئی ایک علماء نے وضاحت کی ہے کہ الابانہ موصوف کی آخری کتب میں سے ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے، ان علماء سے چند ایک یہ ہیں:
امام ابوبکر البیہقی (م:۴۵۸ھ) شیخ الاسلام اسماعیل بن عبدالرحمن النیسابوری ابوعثمان

⇦⇦ کا کلام ہے۔ (الاعتقاد والهدایه الی سبیل الرشاد ص:۳۱)، امام ذہبی نے العلو للعلی الغفار (ص:۲۸۷) میں اس کتاب سے کچھ اہم اقوال نقل کیے۔ امام ذہبی نے کہ الابانہ ابوالحسن الاشعری کی مشہور تصنیف ہے۔ ابن فرحون نے کہا: ابوالحسن کی کتابوں میں سے کتاب الجمع الکبیر، الجمع الصغیر اور کتاب الابانه عن اصول الدیانه، دیکھیے الدیباج المذهب ص:۱۹۳۔۱۹۴، ابن العماد الحنبله، شذرات الذهب: ۳۰۳/۲، مرتضی الزبیدی، اتحاف السادة المتقین: ۲/۲، ابن درباس نے دیکھیے رسالة فی الذب الی الحسن الاشعری ص:۱۰۷۔۱۰۸، ابن تیمیہ نے الفتوی الحمویة لابن تیمیه ص:۷۰ اور ابن قیم نے اجتماع الجیوش میں۔

❶ الفتوی الحمویه الکبری ص:۵۵۔

❷ دیکھیے: موقف ابن تیمیہ من الاشاعرہ: ۳۸۱/۱۔

الحافظ (م:۴۴۹ھ) امام ابن عساکر (م:۵۷۱ھ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م: ۷۲۸ھ)❶ مذکورہ بالا علماء میں سے کچھ نے نص بیان کی ہے کہ الابانہ امام صاحب کی آخری کتب میں سے ہے اور کچھ نے ابوالحسن اشعری کا اسی کتاب کی بنیاد پر دفاع کیا ہے۔ ہمارا مقصود دونوں طرح حاصل ہے، کیونکہ اس عقیدے کو لے کر امام موصوف کے دفاع کا معنی ہی یہی ہے کہ وہ اسی اعتقاد پر فوت ہوئے۔ اسی لیے ہم نے ان تمام علماء میں سے بعض کے نام اکٹھے ذکر کر دیے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا الابانہ اور مقالات الاسلامیین میں مذکور عقیدہ مکمل اہل السنہ کا عقیدہ ہے؟ بعض علماء کا خیال تو یہ ہے کہ الابانہ مکمل طور پر اہل السنہ کے مذہب کی نمائندگی کرتی ہے اور امام موصوف مکمل طور پر اہل السنہ کے مذہب پر آ گئے تھے۔ ان میں ابن کثیر، محب الدین خطیب، ابوبکر الخلیل ابراہیم الموصلی اور دکتور محمد علی صلابی وغیرہ شامل ہیں۔

ابوبکر خلیل موصلی نے اپنی کتاب "شعبة العقيدة" میں اسی موقف کو یعنی رجوع تمام کو ابن تیمیہ اور ابن قیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ انھی کی پیروی میں دکتور صلابی نے بھی یہی کہا ہے۔ موصوف نے مجموع الفتاوی (۵۳/۶) کا حوالہ دیا ہے۔ محولہ مقام کی طرف میں نے رجوع کیا تو وہاں شیخ الاسلام نے امام اشعری کے رجوع تام کا ذکر نہیں کیا بلکہ مذہب سلف میں امام اشعری کی معروف تقصیر کا ذکر کیا ہے۔❷

---

❶ دیکھیے: موقف ابن تیمیہ من الاشاعرہ:۱/۳۸۴، ۳۸۳، شعبة العقيدة بين ابى الحسن الاشعرى و المنتسبين الله فى العقيدة ص:۴۸، ۴۷.

❷ یہ کچھ حقائق کے قریب ہے امام ابن تیمیہ نے کہا کہ امام ابوالحسن اشعری تین ادوار سے گزرے۔ ایک معتزلی دور پھر کلابی دور اور پھر اہل السنہ کے مذہب پر جو امام احمد کا منہج تھا۔ امام ابوالحسن نے اپنا آخری موقف اور عقیدہ اپنی تین کتب میں ذکر کیا ہے رسالہ اہل الثغر، مقالات اسلامیین، اور الابانہ۔ لہذا جو لوگ امام اشعری کے تیسرے دور پر ہیں تو وہ اکثر مسائل میں اہل السنہ والجماعہ کے مذہب پر ہیں۔ اور جو دوسرے دور پر ہیں تو وہ الاشعری کے مذہب کے خلاف اور برعکس ہے اور وہ اہل السنہ کے اکثر مسائل کے خلاف ہے۔ (مجموع الفتاوی :۴/۷۲) شیخ ابن العثیمین نے کہا: بعد میں آنے والے علماء جو اپنے آپ کو اشعری کہلاتے ہیں وہ اس کے ⇦⇦

اسی طرح ابن قیم سے صاحب موقف ابن تیمیہ من الاشاعرۃ نے ایک عبارت نقل کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام اشعری نے مکمل رجوع نہیں کیا تھا بلکہ کچھ اثرات باقی رہ گئے تھے۔ ❶ اس لیے ابن تیمیہ وابن قیم کی طرف رجوع تام کے موقف کی نسبت کرنا وہم سے خالی نہیں اگرچہ دونوں شیخین اس کے قائل ہیں کہ الابانہ امام اشعری کی آخری کتب میں سے ہے جس میں موصوف امام اہل السنہ کے انتہائی قریب ہوگئے۔ شاید اسی بنیاد پر بعض لوگوں کو غلطی لگی۔ واللہ اعلم

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم دونوں امام اشعری کی کتب سے خوب واقف تھے بلکہ دونوں نے الابانہ، مقالات الاسلامیین اور ابن تیمیہ نے رسالۃ الی اہل الثغر سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اس کے باوجود شیخ الاسلام یہ نہیں کہتے تھے کہ امام اشعری پر ابن کلاب کے مسائل کا کچھ اثر باقی نہ رہا تھا۔ اور وہ تمام مسائل میں اہل السنہ کے مذہب پر آگئے تھے۔

نیز امام اشعری بہت سے مسائل میں ابن کلاب سے اختلاف رکھتے تھے۔ مقالات الاسلامیین میں آپ نے اہل السنہ کا مذہب اپنے علم کے مطابق ذکر کرکے اور اسی کو اپنا مذہب قرار دے کر لکھا کہ ابوعبداللہ القطان (ابن کلاب) کے اصحاب بھی ان اکثر باتوں کے قائل ہیں جو ہم نے اہل السنہ سے نقل کی ہیں۔ ❷

المختصر ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ امام موصوف اگرچہ الابانہ میں اہل السنہ کے انتہائی قریب آگئے مگر چند ایک مسائل میں ان کو غلطی لگی اور ان شاء اللہ یہ چند مسائل ان میں سے ہیں جن کی بنا پر تبدیع جائز نہیں سوائے مسئلہ کلام کے۔ نیز الابانہ میں کئی نصوص ایسی

⇦⇦ دوسرے دور کی پیروی کرتے ہیں اور وہ تاویل کے مذہب پر تھے یعنی کہ اللہ کی صفات کی تاویل۔ (الفتاوی: ۳/۲۲۸ نیز دیکھیں ان کی کتاب الفتاوی، کتاب العلم ص: ۲۲۶)

❶ دیکھیے: موقف ابن تیمیہ من الاشاعرۃ: ۱/۳۹۶۔

❷ مقالات الاسلامیین ص: ۲۹۸۔

بھی ہیں جو اس پر دال ہیں کہ موصوف صفات اختیاریہ کا بھی اثبات کرتے تھے جیسا کہ استوی علی العرش عنوان کے تحت آپ ملاحظہ کریں گے۔ ما سبق کا خلاصہ درج ذیل ہے جو لوگ آخری دور کو سلفی دور قرار دیتے ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک آپ نے مذہب اہل السنہ کی طرف رجوع تام کر لیا تھا۔ جب کہ بعض کے بقول آپ گنے چنے مسائل میں ابن کلاب کے موافق تھے۔ ہمارے نزدیک یہ بات ہی راجح ہے۔ آخر میں گزارش ہے کہ یہ راقم کی ذاتی رائے ہے جو راقم کے علاوہ دیگر کچھ اہل علم کی بھی ہے تاہم یہ مسئلہ غموض و پیچیدگی والا ہے جو علماء رجوع تام کے قائل ہیں ان میں بھی جلیل القدر لوگ ہیں۔

تیسری نشست:

بعض اصطلاحات کی توضیح

الاستثناء:...... مسئلہ ایمان میں استثناء سے مراد ایمان کو اللہ کی مشیئت سے معلق کرنا ہے کہ صاحبِ ایمان کہے میں ان شاء اللہ مومن ہوں۔ اس کے متعلق اہل السنہ کا ہے کہ استثناء جائز ہے، نہ حرام ہے اور نہ واجب۔

الاستطاعة:...... اہل السنہ اور کئی متکلمین کے نزدیک استطاعت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ استطاعت ہے جس کی بنیاد پر انسان کو کسی چیز کا مکلف بنایا جاتا ہے، پڑھنے کے لیے آنکھ کا ہونا اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے لیے اتنی تندرستی ہونا جس سے انسان کھڑا ہو سکے۔

دوسری قسم اس استطاعت کی ہے جو فعل سے مقارن ہوتی ہے یہ استطاعت کونیہ ہے۔ اسی کے ہوتے ہوئے فعل کا صدور ہوتا ہے۔ کفار اسی استطاعت سے محروم تھے جیسے اللہ نے فرمایا: ﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ﴾ اور فرمایا: ﴿وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ اصول الدین وغیرہ میں رازی نے بھی اسی تفصیل کو اختیار کیا ہے پہلی استطاعت کو بعض متکلمین استطاعۃ صحیحہ کہتے ہیں اور دوسری استطاعت کو استطاعہ حقیقیہ کہتے ہیں۔

تاویل:

بسا اوقات تاویل تفسیر کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ بسا اوقات تاویل سے مراد خبر کا وقوع یا امر کی تنفیذ ہوتی ہے۔ بعض اوقات تاویل سے مراد حکمت ہوتی ہے۔ اصولیوں کے نزدیک متبادر الی الفہم ظاہری معنی مراد لینے کی بجائے محتمل مرجوح معنی مراد تاویل کہلاتا ہے۔

تعطیل:

اس کا معنی ہے کہ کسی چیز کو خالی یا فارغ قرار دینا۔ اردو میں لفظ معطل زبان زدِ عام

ہے۔ تعطیل کے کئی ایک مراتب ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑا درجہ تعطیل ذات باری ہے۔ اس کے بعد مختلف درجے ہیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو بلا چون و چرا تسلیم کرنا ہی واجب ہے۔ نہ تو ان میں تاویل کی گنجائش ہے اور نہ ہی تعطیل کی۔

تنزیہ:

اس کا معنی ہے عیب سے پاک قرار دینا۔ اس سے مراد یہ ہوتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ نہ وہ مخلوق سے مشابہ ہے اور نہ ہی اس کے لیے ثابت شدہ صفات ایسی ہیں کہ کوئی ان میں نقص ہو کہ جس بنا پر ان کی تاویل کی جائے۔ بلکہ اس کی تمام صفات صفاتِ کمال ہیں اور اپنے ظاہر پر ہیں۔ اس کلمہ کی آڑ لے کر ہی متکلمین اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل کرتے ہیں اور نام لیتے ہیں تنزیہ کا۔ یہ درحقیقت تسمیة الشیء بخلافه کے باب سے ہے۔ ان کی ایسی باطل تنزیہ سے تنزیہ واجب ہے۔

توفیق:

اس کی تعریف کئی طرح سے کی گئی ہے۔ مناوی نے یوں تعریف کی ہے اللہ تعالیٰ کا کسی شخص کو اس کے موافق کر دینا جس سے وہ محبت کرتا اور پسند کرتا ہے۔[1] ان سے پہلے یہی تعریف جرجانی نے کی ہے۔[2]

معتزلہ کے نزدیک توفیق اطاعت کی طرف بلانے اور دعوت دینے کا نام ہے۔ بعض اشاعرہ کے نزدیک اطاعت کی قدرت پیدا کرنے کا نام توفیق ہے جوینی کے نزدیک قدرت کی بجائے اطاعت پیدا کرنے کا نام توفیق ہے۔[3] ابوالحسن اشعری سے ابن فورک نے نقل کیا ہے ایمان لانے کی قدرت دینا توفیق ہے۔[4] ابن فورک کہتے ہیں: توفیق اس چیز کو

---

[1] التوفیق علی مهمات التعریف: ۱۱۳.

[2] التعریفات: ٦٢ اور دیکھیے روح المعانی: ۱۲/ ۱۲۱.

[3] کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/ ۵۳۲.

[4] مجرد مقالات اشعری: ۱۲۳.

کہتے ہیں جس کے توسط سے آدمی کے لیے خیر کا کام کرنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ ❶

راغب اصفہانی کے نزدیک توفیق اور اتفاق ایک ہیں۔ دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ توفیق خیر میں استعمال ہوتا ہے اور اتفاق خیر وشر دونوں میں۔ اور انسان کے فعل کا تقدیر کے مطابق ہوجانا اتفاق کہلاتا ہے۔ ❷ اشعری کہتے تھے: بطور لغت توفیق: لطف عصمت و غیر معاصی کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں لیکن ہم نے مسلمانوں کی عادت کی بدولت ان کو ایمان سے خاص کیا ہے۔ ❸ ابوالبقاء کفوی حنفی کہتے ہیں: توفیق تسہیل اور کسی چیز کا دل پر حسن واضح کردینے کا نام ہے۔ نہ تو قدرة علی الطاعة پیدا کرنے کو توفیق کہتے ہیں اور نہ ہی اطاعت پیدا کرنے کو، کیونکہ قدرت ضدین (کرنے، نہ کرنے) کے لیے درست ہوتی ہے اور اطاعت توفیق پر متوقف ہے۔ توفیق اطاعت کا سبب ہے بس توفیق نصرت و تیسیر کا نام ہے۔ ❹ امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: عارفین کا اجماع ہے کہ توفیق یہ ہے کہ اللہ آپ کو آپ کے نفس کے سپرد نہ کرے۔ ❺

مذکورہ بالا تمام تعریفات میں سے مؤخر الذکر لغوی کی تعریف ہی راجح ہے۔ اہل السنہ کے نزدیک توفیق قدرت پیدا کرنے کا نام نہیں۔ بلکہ اقدار سے زائد چیز ہے۔ نیز توفیق اللہ پر واجب نہیں۔ محض اللہ کا فضل ہے اس کی موجودگی میں انسان اطاعت بجالاتا ہے۔

خذلان:

خذلان توفیق کی ضد ہے۔ ہر گروہ نے توفیق کی جو تعریف کی ہے اس کا عکس خذلان قرار دیا ہے۔ جمہور اشاعرہ کے نزدیک خذلان انسان میں معصیت کی قدرت پیدا کرنے کا نام ہے۔ اکثر کتب میں یہی تعریف ہے۔ برسبیل مثال دیکھیں۔ ❻ بعض کے نزدیک گناہ

---

❶ الحدود لابن فورك:١١٦.
❷ مفردات القرآن:٨٧٧.
❸ مجرد:١٢٦.
❹ الكليات:٣١٠.
❺ مدارج السالكين:١/٤١٥.
❻ التوقيف:١٥٣، كشاف اصطلاحات الفنون:٢/٦٧، الحدود لابن فورك:١١٦.

سے عصمت کا نام خذلان ہے۔ ابن فورک نے اشعری سے نقل کیا ہے کہ مطلق گناہ کی قدرت خذلان نہیں، کفر کی قدرت خذلان ہے۔[1] یاد رہے کہ اشعری کے نزدیک استطاعت فعل سے مقارن ہوتی ہے۔ معتزلہ کے نزدیک لطف الٰہی کا نہ ہونا خذلان ہے۔ (لطف کی توضیح آگے آرہی ہے) یاد رہے کہ اہل السنہ والحدیث کے نزدیک لطف اور توفیق ایک ہی چیز ہیں۔ کفوی کہتے ہیں: خذلان عدم توفیق، اطاعت پر اعانت اور انسان کو اپنے نفس کے ساتھ چھوڑ دینا خذلان ہے۔[2] امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عارفین کا اجماع ہے کہ خذلان یہ ہے کہ اللہ کسی شخص کو اس کے نفس کے سپرد کر دے۔[3]

یہی بات راجح ہے کہ خذلان عدم نصرت و اعانت ہے جیسا کہ کفوی حنفی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے پس توفیق اور خذلان کی آپس میں نسبت تقابل العدم والملکۃ ہے۔ توفیق ایجابی ہے، خذلان سلبی ہے، توفیق اللہ کا فضل ہے اور خذلان عدل۔ توفیق نیکی پر انسان کی اعانت ہے اور خذلان عدم اعانت۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

جارحۃ:

جارحۃ آلۂ اکتساب کو کہتے ہیں، شکاری کتوں اور شکاری باز کو بھی جوارح کہا جاتا ہے۔ انسان کے ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ بھی جوارح ہیں۔ علم کلام میں اس کی بحث اثبات صفات کے ضمن میں آتی ہے۔ اہل السنہ جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ ہیں، چہرہ ہے وغیرہ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو مخالفین کہتے ہیں اس سے یہ لازم آیا کہ اللہ کے بھی جوارح ہیں یعنی آلۂ اکتساب ہے جس سے اللہ پکڑتا ہے وغیرہ اس سے تو تشبیہ اور احتیاج لازم آیا۔ اس کے جواب میں اہل السنہ یہ کہتے ہیں کہ جارحہ کا لفظ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ اس لیے ہم اس کا اثبات نہیں کرتے اور نہ یہ لفظ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔[4]

---

[1] مجرد مقالات الاشعری: ۱۲۳۔ [2] الکلیات: ۳۱۰۔

[3] مدارج السالکین: ۱/۴۱۵۔

[4] دیکھیے: الحمویہ لابن تیمیہ۔

زندقہ:

بعض اہل علم کے نزدیک نفاق کے مترادف ہے، بعض کے نزدیک الحاد کا قائل ہونا زندقہ ہے جبکہ بعض کے نزدیک مجوسیوں کی ایک قسم ہے۔ جمہور اس کو نفاق کے معنی ہی میں استعمال کرتے ہیں۔ بعض اوقات اسلام کے بنیادی عقائد میں رخنہ ڈالنے والے کو بھی زندیق کہا جاتا ہے۔

ظلم:

عقائد میں اختلاف بہت سارے الفاظ کی توضیح وتعریف مٰں بھی اختلاف پیدا کر دیتا ہے۔ ظلم بھی ان الفاظ میں سے ہے جو اس ظلم کا شکار ہوا کہ اس کی بھی غلط تعریفات کی گئیں۔ اہل السنہ والحدیث یا جو اس مسئلہ میں ان کے موافق ہیں ان کے علاوہ سب نے اس کی تعریف میں ٹھوکر کھائی ہے۔ غیر کی ملکیت میں تصرف کرنے کا نام ظلم ہے۔ جمہور اشاعرہ کا یہی موقف ہے۔ بعض نے منع کیے گئے تصرف کی شرط کا اضافہ کیا ہے۔ [1]

جس نے اضافہ نہیں کیا اس کے لیے بھی اس اضافے کے بناء کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ باجازت کسی کی ملکیت میں تصرف کرنے والے کو کوئی بھی ظلم نہیں کہتا۔ سلیمان بن خلف باجی رحمہ اللہ نے ظلم کی تعریف یہ کی ہے: ظلم تعدی کو کہتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مکلف کو حکم دیا جائے اور وہ وہ حکم عدولی کرے۔ اس اعتبار سے غیر مامور کو ظلم سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ [2]

بعض کے نزدیک شرح کی حد سے تجاوز کا نام ظلم ہے۔ بعض کے نزدیک حق سے باطل کی طرف تجاوز کر جانا ظلم کہلاتا ہے۔ [3] بعض کے نزدیک جس کی اطاعت واجب ہو اس کی نافرمانی ظلم کہلاتی ہے جیسا ابن تیمیہ نے قاضی ابویعلی سے نقل کیا ہے۔ [4] اور الافاضہ لابی الحسن السندھی میں مذکور ہے۔ [5] معتزلہ کے نزدیک نفع، دفع اور استحقاق سے خالی فعل ظلم

[1] الحدود لابن الفورك :١٢٣.   [2] الحدود للباجی :٢٣.

[3] كشاف اصطلاحات الفنون :١٨٦/٣، الكليات:٥٩٤.

[4] منهاج السنه.

[5] مقدمه الانفاس الرحمانيه لعلى بن عبده الالمعى :١٤٢.

کہلاتا ہے۔ ایک گروہ کے مطابق کسی بھی چیز کو غیر مناسب مقام پر رکھنا ظلم ہے۔ یہی راجح تعریف ہے۔ اسی تعریف کو جمہور اہل السنہ والحدیث نے اختیار کیا ہے۔ ❶

عرض:

کفوی کے نزدیک عرض کی راجح تعریف یہ ہے: عرض وہ وجود ہے جس کا دو زمانے باقی رہنا متصور نہیں ہوسکتا۔ ❷ ہمارے نزدیک یہ عرض کی کمزور ترین تعریفات میں سے ہے۔ کیونکہ عرض کا دو زمانے باقی نہ رہنا ہی قابل تسلیم نہیں۔ اور دیگر گروہوں نے اس کی کئی ایک اور بھی تعریفات کی ہیں۔

لطف:

معتزلہ کے نزدیک اطاعت کا وہ داعی جس کی موجودگی میں اطاعت واقع ہوتی ہے یا آدمی اطاعت کے قریب ہوجاتا ہے لطف کہلاتا ہے۔ ❸ پہلی قسم لطف محصّل کہلاتی ہے اور دوسری قسم لطف مقرّب۔ بعض اشاعرہ کے نزدیک اطاعت کی قدرت کا نام لطف ہے۔ ❹

اہل السنہ کے نزدیک لطف بمعنی توفیق ہے۔ یہ اللہ کا نیکی پر مدد کرنا اور گناہ سے روکنے پر مدد کرنا ہے۔ یہ اللہ پر واجب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔

مجاز:

جس معنی کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہے اس معنی کی بجائے کسی مناسبت وقرینہ کی وجہ سے دوسرا معنی مراد لینا۔ جیسے شیر کو بہادر کے معنی میں لیا جائے۔ مجاز کی متعدد اقسام ہیں۔ بعض علماء لغت میں مجاز کے قائل نہیں جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم اور دیگر علماء ہیں۔ بعض علماء قرآن میں مجاز کے قائل نہیں۔ لغت عرب میں مجاز کو تسلیم کرتے ہیں، جیسے شیخ امین شنقیطی ہیں۔ بعض علماء قرآن سمیت لغتِ عرب میں مجاز کے قائل ہیں، ہمارے نزدیک

---

❶ جامع الرسائل لابن تیمیه: ۱/۱۲٤.　❷ الكليات: ٦٢٥.

❸ المغني جزء اللطف لعبدالجبار المعتزلي: ٩.

❹ الحدود: ١١٨.

یہی راجح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی مجاز کے قائل ہیں۔ ❶ شیخ الاسلام اور ان کے متبعین کی بات کمزور ہے۔ شیخ شنقیطی مجاز کو ''عربی کا ایک اسلوب'' کہتے ہیں۔ اگر ایک لفظ کا استعمال حقیقی معنی سے زیادہ مجازی معنی میں ہوتا ہو پھر بھی بغیر قرینہ کے اس کو مجازی معنی میں استعمال کرنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی صفات ہیں مجاز کی آڑ لے کر ان کی تاویل کرنا قطعاً جائز نہیں۔

النعت:

نعت کئی علماء کے نزدیک صفت کا مترادف ہے۔ ابن القیم کا یہی موقف ہے۔ بعض کے نزدیک نعت وہ صفت ہے جو متغیر نہیں ہوتی۔ اور صفت متغیر اور غیر متغیر دونوں طرح کی صفات پر بولا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک نعت صرف اچھی صفات کے لیے مستعمل ہے اور صفت اچھی اور بری دونوں طرح کی صفات کے لیے۔ ❷

---

❶ دیکھیں: خلق افعال العباد: ۸۱۲.

❷ دیکھیے: کشاف اصطلاحات الفنون: ۱۷۱۱، الکلیات: ۹۰۱، الفروق اللغویة: ۱۸.

چوتھی نشست:

کتاب میں موجود فرقوں کا مختصر تعارف

جہمیہ:

ابومحرز جہم بن صفوان ترمذی کی طرف نسبت ہے۔ اس شخص نے ایک طرف تو اللہ تعالی کی تمام صفات کی نفی کی تو دوسری طرف انسان کو مجبور بھی قرار دیا۔ جنت و جہنم کے مخلوق ہونے کا انکار بھی کیا اور دیگر گمراہیاں بھی اپنی کوکھ سے جنم دیں۔ ❶

❶ [جہمیہ کے تعارف میں ہم نے اپنی مطبوعہ کتاب اصول السنہ للحمیدی کی اردو شرح میں یہ لکھا ہوا ہے: "اس نے سمرقند، خراسان میں پرورش پائی پھر ایک عرصہ ترمذ میں ٹھہرا یہ بدعتی اور گمراہ انسان تھا اس نے صفات کا انکار کیا اور خلق قرآن کا قائل تھا اور فرقہ جہمیہ کا بانی تھا اور کہتا تھا کہ اللہ تعالی ہر جگہ موجود ہے اور ایمان صرف دل سے تصدیق کرنے کو مانتا تھا خواہ انسان زبان سے کفر ہی کرتا رہے۔

اس گمراہ انسان کو سلیم بن احوز نے ۱۲۸ھ کو مقام مرو پر اس وجہ سے قتل کر دیا کہ اس نے کہا کہ موسیٰ سے اللہ تعالی نے کلام نہیں کیا۔ اس کے نظریات میں سے ہے کہ اللہ تعالی کی ذات کا صرف وجود ہے اس کی کوئی صفت نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی تمام کائنات میں حلول کئے ہوئے ہے، ظاہر ہے کہ یہ نظریہ عیسائیوں کے نظریہ سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ اپنے قصیدہ نونیہ (۲۴) میں جہمیوں کی اس گمراہی کی ایک عجیب انداز میں خبر لی فرماتے ہیں: "وكذلك الجهمي قيل له استوى فابى وزاد الحرف للنكران اور اسی طرح جہمیوں نے استوی میں ایک حرف لام زائد کر کے استولی بنا ڈالا

نون اليهود ولام الجهمي هما في وحي رب العرش زائدتان

جیسے یہودیوں نے حطۃ میں نون کا اضافہ کیا تھا، اسی طرح جہمیوں کا لام (استوی) میں زائد ہے یہ دونوں الفاظ قرآن مجید میں اضافہ ہیں۔

اس کے مفصل حالات درج ذیل کتب میں ہیں۔ (تاریخ طبری: ج۷ص۲۲۰، الكامل في التاريخ، ج۵ ص ۳۴۲۔ ۳۴۴، ميزان الاعتدال: ج۱ ص۴۲۶، رقم: ۱۵۸۴، سير اعلام النبلاء: ج۶ ص۶۲ رقم :۸، لسان الميزان : ج۲ص۲۵۷ رقم:۲۱۶۵، الوافي بالوفيات: ج ۱۱ ص۲۰۷، رقم:۳۰۵)(ماخوذ از شرح رسالہ نجاتیہ ط: سلفی)⇦⇦⇦

حروریہ:

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والے خارجیوں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ کوفہ کے قریب حروراء نامی جگہ کی مناسبت سے انھیں حروریہ کہا جاتا ہے۔ یہ خارجی اس جگہ پر جمع ہوئے تھے۔

خوارج:

یہ اسلام کا سب سے قدیم گمراہ فرقہ ہے۔ اس کی جڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں موجود ذوالخویصرہ خارجی سے ملتی ہیں۔ اس شخص کا نام حرقوص بن زہیر بیان کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اس کے ایسے ساتھی ہوں گے جو اہل اسلام کو قتل کریں گے اور اہل اوثان کو چھوڑ دیں گے۔ انھی لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما نے صلح کے لیے دو فیصل بنائے تو یہ لوگ بقاعدہ منظر عام پر آئے اور دونوں گروہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس گروہ نے بقاعدہ فرقہ کی صورت اختیار کر لی۔ ان کے مشہور عقائد میں سے چند ایک یہ ہیں: تحکیم کا انکار، حاکم کے خلاف غیر شرعی خروج، کبیرہ گناہ کے مرتکب کی تکفیر وغیرہ۔

رافضہ:

تشیع میں سے غلو والے لوگ رافضہ کہلاتے ہیں۔ زید بن علی رحمہ اللہ سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے ان کے لیے کلمہ ترحم کہا۔ جو شیعہ کو گراں گزرا، اور زید بن علی سے ہٹ گئے۔ اس پر انھوں نے کہا: رفضتمونی تم نے مجھے چھوڑ دیا۔ یہاں سے رافضہ کی اصطلاح عام ہوئی۔ گویا لفظ شیعہ عام ہے جو بھی علی رضی اللہ عنہ کو صحابہ پر مقدم جانتا ہے وہ شیعہ ہے۔ پھر اگر وہ مزید غلو کرے تو رافضی۔ حرب بن اسماعیل کرمانی نے اپنے

⇦⇦⇦ ریسرچ انسٹیٹیوٹ) ہم نے جہم کے تعارف اور اس کے رد پر مفصل گفتگو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الرد علی الزنادقہ والجھمیہ کے اردو ترجمہ کے مقدمے میں کی ہے یہ کتاب عنقریب سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ والحمدللہ۔"

رسالہ السنہ میں کہا ہے: جو شخص کسی بھی صحابی کی تنقیص کرے یا برا بھلا کہے تھوڑا سا طعن کرے یا زیادہ وہ خبیث، بدعتی اور رافضی ہے اللہ تعالیٰ اس سے عدل وصرف قبول نہیں کرے گا۔ ❶

قدریہ:

اہل السنہ کے نزدیک قدریہ وہ ہیں جو تقدیر کے چار مراتب میں سے کسی ایک مرتبے کی نفی کرتا ہو۔ وہ چار مراتب یہ ہیں: اللہ کا علم، اللہ کا تقدیر لکھنا، اللہ کی مشیئت سے اعمال کا ہونا اور اللہ کا انسان کے اعمال کا خالق ہونا۔ اللہ کے علم کی نفی کرنے والے لوگ بہت پہلے ختم ہو چکے ہیں۔ موجودہ قدریہ انسان کو خود اپنے اعمال کا خالق قرار دیتے ہیں۔ قدریہ کی ابتداء معبد بن خالد الجہنی سے ہوئی۔ جس کے بارے کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ عقیدہ سوسن عیسائی سے لیا۔ اور معبد سے غیلان دمشقی نے۔ یہ لوگ اللہ کے علم کے بھی منکر تھے۔ صحابہ کے آخری زمانہ میں ان کا ظہور ہوا تو صحابہ نے ان کا رد کیا۔ ان سے یہ عقیدہ معتزلہ نے لیا۔ اب قدریہ کے عقائد کے حاملین روافض اور معتزلہ ہیں۔ قدریہ کے بہت سے گروہ ہیں۔ معتزلہ اپنے آپ کو قدریہ ماننے کی بجائے تقدیر کا اثبات کرنے والوں کو قدریہ کہتے ہیں، لیکن اہل السنہ کی اصطلاح میں تقدیر کی نفی کرنے والے ہی قدریہ ہیں۔ قدریہ کو اس امت کے مجوسی بھی کہا جاتا ہے۔

مجوس: zoroastriaism

مجوسی، پارسی اور آتش پرست یہ ایک ہی مذہب کو کہا جاتا ہے۔ زردشت یہ بھی انھی کو کہا جاتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک مجوسیت زردشت نامی شخص سے پہلے ہی موجود تھی۔ اس شخص نے اس کو صرف تازہ کیا۔ ان کی کثیر تعداد ایران اور آذربائیجان میں ہے۔ ان کی کل تعداد دو لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔

❶ السنه للكرماني: ٧٤۔

مرجئہ:

لفظ مرجئہ ارجاء سے ہے، جس کا معنی ہے کسی چیز کو مؤخر کرنا۔ عمل کو ایمان سے مؤخر کرنے والوں کو مرجئہ کہا جاتا ہے۔ اہل السنہ والحدیث کے نزدیک ایمان مرکب ثلاثی ہے۔ اور معاصی سے انسان ملت سے خارج نہیں ہوتا۔ مرجئہ عمل کو ایمان سے مؤخر کرنے میں متفق ہیں۔ اس کے علاوہ امور میں مرجئہ کا اختلاف ہے۔

معتزلہ:

حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک شاگرد تھا ابوحذیفہ واصل بن عطاء غزال۔ اس نے صاحبِ کبیرہ کو بین المنزلتین (نہ کافر نہ مسلمان) قرار دیا۔ حسن بصری اسے الگ ہو جانے کا کہا۔ اسی سے معتزلہ نام پڑ گیا۔ اس کے ساتھ عمرو بن عبید جا ملا اور معتزلہ ایک فرقہ بن گیا۔ معتزلہ کے پانچ مشہور عقائد یہ ہیں:

توحید:

اس سے نفی صفات مراد ہے۔

عدل:

اس سے مراد تقدیر کی نفی ہے کہ اللہ اعمال انسانی کا خالق نہیں۔

مُنزلہ بین المنزلتین:

اس سے مراد فاسق کا حکم ہے کہ وہ نہ کافر ہے نہ مسلم۔

وعد و وعید:

اس سے انکار شفاعت مراد ہے۔

امر بالمعروف:

اس بناء پر یہ حکام کے خلاف خروج کرتے ہیں گویا معتزلہ جہمیہ بھی ہیں۔ قدریہ بھی اور خوارج بھی۔ متقدمین شیعہ کے بعد شیعہ اکثر معتزلی ہیں۔ معتزلہ اپنے آپ کو اہل توحید والعدل کہتے ہیں اور حسن بصری، مکحول اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے گروہ میں شمار کرتے ہیں۔

درحقیقت یہ تینوں ہی ان سے بری ہیں۔

نصاری:

یہ اہل کتاب میں سے ہیں۔ ناصرہ شہر کی مناسبت سے ان کو نصاری کہا جاتا ہے یہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے جھوٹے دعوے دار ہیں۔ ان کے بہت زیادہ گروہ ہیں۔ جن میں سے تین مشہور ہیں: پرٹسٹنٹ، آرتھوڈکس اور کیتھولک۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے نصف صدی بعد عیسائیوں نے انجیل لکھی۔ جب کہ اصل انجیل مفقود تھی۔ اسی لیے کچھ غیر دانستہ اور بہت سی تحریفات دانستہ کر دی گئیں۔ تقریباً ۳۲۰ عیسوی کے بعد توحید والی عیسائیت بالکل ناپید ہوگئی اور وثنیت والی عیسائیت پھیل گئی۔

یہود:

یہ بھی اہل کتاب ہیں اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار قرار دیتے ہیں۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہیں۔ یہ دنیا کی سب سے مکار اور بزدل قوم ہے ان کی مکمل تعداد تقریباً سوا کروڑ ہے۔ ان کے ہاں موجود تورات بھی محرف و مبدل ہے۔ کچھ عرصہ سے ان کا مرکز اسرائیل ہے یہ اپنے آپ کو بیت المقدس کا دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار قرار دیتے ہیں۔

اختتامی نشست:

الابانہ کا نسخہ

ہم نے جس مطبوعہ نسخے کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے وہ چھے خطی نسخوں پر تحقیق شدہ نسخہ ہے۔ جس کی تحقیق دکتور صالح بن مقبل العصیمی نے کی ہے۔ تاہم کتاب میں کئی جگہ غلطیاں موجود ہیں۔ اس لیے اس کے ساتھ ساتھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے شائع ہونے والی الابانہ اور دکتور فوقیہ کی تحقیق سے شائع ہونے والی الابانہ کو بھی مدنظر رکھا ہے۔

دکتور فوقیہ کے نسخے میں بہت سارے اضافے ہیں جو دیگر نسخہ جات میں موجود نہیں۔ حتی کہ ابن عساکر، ابن تیمیہ اور دیگر ائمہ نے الابانہ سے جو اقتباسات نقل کیے ہیں اس میں بھی وہ اضافے موجود نہیں۔ نیز وہ اضافے کتاب کے منہج سے میل نہیں کھاتے۔ اہل السنہ کے طریق کے بھی خلاف ہیں۔ ان اضافوں کی کافی شافی تردید شیخ صالح بن مقبل نے اپنی تحقیق سے طبع ہونے والی الابانہ کی تعلیق میں کر دی ہے۔ راقم کا خیال تھا کہ ان اضافوں کا مقدمہ میں تفصیلی جائزہ لے گا لیکن بوجوہ یہ ممکن نہیں۔ شائقین دکتور صالح کی تعلیقات کی طرف رجوع کر لیں۔ کتاب میں موجود متعدد حواشی دکتور عصیمی کی تعلیقات سے ملخص ہیں جہاں ہم نے ان کی تعلیق لی ہے وہاں وضاحت کر دی ہے۔ آثار واحادیث کے حوالے اور حکم بھی انھیں کے نقل کیے گئے ہیں۔ ہم نے مراجع کی طرف خود رجوع نہیں کیا۔ ❶

سبحانك اللّٰهم وبحمدك أشهد ان لااله الا انت استغفرك واتوب اليك

ابو محمد موہب الرحیم

١ ربیع الثانی ١٤٣٨ھ الموافق ٣١ دسمبر ٢٠١٦ عیسوی

❶ ہم نے توفیق الٰہی سے اس تحقیق پر قابل قدر اضافے کیے اور اپنی ہمت کے مطابق مراجعت کی بھی کوشش کی اور کتاب کو قیمتی اور نادر حواشی کے ساتھ مزین کیا۔ والحمدللہ [الحسبنوی]

الإبانه عن أصول الديانه

السید الشیخ الامام ابو الحسن علی بن اسماعیل بن ابی بشر الاشعری البصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو واحد و اَحد ہے، پالنے والا ،عزت والا ، بزرگی والا اور توحید میں یکتا ہے۔ اور ایسے مجد والا ہے جس تک بندوں کی صفات پہنچ نہیں پاتیں، نہ ہی تو کوئی اس کا ہم مثل ہے اور نہ ہی کوئی شریک، وہی ازسرنو پیدا کرنے والا وہی لوٹانے والا ہے، اپنے ارادے کو کر گزرنے والا ہے۔ وہ اہلیہ اور اولاد پکڑنے سے برتر ہوا اور اجناس وارجاس سے خلط ملط ہونے سے پاک ہوا۔ پس نہ تو کوئی اس کی صورت ہے جو بیان کی جائے۔ ❶

اور نہ ہی اس کی کوئی حد ہے جس کی مثال دی جائے۔ اپنی صفات سمیت ہمیشہ سے

---

❶ صورۃ لغت میں: ہیئت، شکل، حقیقت اور صفت کو کہتے ہیں (تاج العروس ۳/ ۲۴۲) اللہ تعالیٰ کے لیے صفت صورۃ کے اثبات میں علماء کے ہاں اختلاف ہے۔ جمہور اہل الحدیث والسنۃ اس صفت کو اللہ کے لیے ثابت قرار دیتے ہیں۔ اور اس صورۃ کی کیفیت کے متعلق کلام نہیں کرتے۔ اگر تو مؤلف کی مراد یہی ہے کہ صورۃ بیان نہیں کی جاسکتی تو یہ برحق ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اللہ کی صفت صورۃ نہیں تو یہ محل نظر ہے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ مؤلف کی مراد پہلی ہی ہے۔ کیونکہ نفی صورۃ مؤلف نے معتزلہ سے نقل کی ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: چہرے اور صورت کا ثبوت کتاب اور سنت متواترہ کی کئی ایک نصوص میں ہے۔ اور امت کے سلف کا اس پر اتفاق ہے۔ (بیان تلبیس الجهمیه٦/ ٥٢٦) صورۃ کا اثبات احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ خلق اللہ آدم علی صورتہ کی بعض علماء مثلاً ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ نے تاویل کی ہے۔ مگر جمہور اہل سنت کے ہاں ان کا قول مرجوح ہے۔ صورۃ کا اثبات ابن قتیبہ، ابن تیمیہ، آجری، قوام السنہ وغیرہ نے کیا ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: قرون ثلاثہ میں کوئی نزاع نہیں تھا کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف عائد ہے۔ (بیان تلبیس الجهمیه ٦/ ٣٧٣) (انتهى ملخصاً من تعليقات العصيمى)

اول اور قدیر ہے ہمیشہ وہمیش سے عالم وخبیر ہے۔ اشیاء میں اس کا علم مستوی ہے اور اس کا ارادہ ہم میں نافذ ہے۔ پوشیدہ امور میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں، گردش زمانہ اس میں کچھ بھی تغیر کرنے والا نہیں۔ جو کچھ اس نے پیدا کیا اس سے نہ تو اس کو کوئی تھکاوٹ پہنچی اور نہ ہی اکتاہٹ۔

اپنی قدرت سے اس نے اشیاء کو پیدا کیا، اپنی مشیت سے ان کی تدبیر کی، اپنی جبروت کے واسطے ان پر غالب ہوا، اپنی عزت کے ساتھ ان کو مطیع کیا، پس اس کی عظمت کے آگے متکبر جھک گئے اور اس کی ربوبیت کی عز کے سامنے عظیم بننے والے عاجز ہو گئے۔ اس کے علم میں رسوخ سے علماء منقطع ہو گئے،اس کے علم کے آگے گردنیں خم ہو گئیں، اور اربابِ دانش کی عقلیں اس کی ملکوت کی متعلق حیران ہو گئیں۔ اس کی حکمت سے سات آسمان قائم ہوئے، بچھونے کا کام دینے والی زمین نے قرار پکڑا، مضبوط پہاڑ ثابت ہوئے، پانی سے لبریز ہوائیں چلیں، بادل آسمان میں تیرے اور ان کی حدود پر سمندر قائم ہوئے۔ وہی اللہ ہے جو یکتا قہار ہے۔ ہم اس کی اس طرح تعریف کرتے ہیں جس طرح اس نے خود اپنی ذات کی تعریف کی، اور جس طرح کی تعریف کا وہ اہل و مستحق ہے۔ اور اس طرح کی تعریف بھی کرتے ہیں جیسی تعریف اس کی جمیع مخلوق میں سے تعریف کرنے والوں نے کی ہے۔

ہم اس سے اس شخص کی مدد مانگنے کی مانند مدد مانگتے ہیں جس نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا اور اقرار کیا کہ ملجا اس کے سوا کوئی نہیں۔ اور ہم ایسے شخص کے استغفار کی مثل اس سے استغفار کرتے ہیں جو اپنے گناہ کا اقرار کرنے والا اور اپنی خطا کا اعتراف کرنے والا ہے۔ ہم اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے اور ربوبیت کے لیے اخلاص کرتے ہوئے گواہی دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں، بلاشبہ وہ ضمائر میں موجود باتوں کو، اسرار کے مضامین کو، جو کچھ نفوس میں مخفی ہے اس کو، سمندروں کے مکفوفات کو اور سرائر کو بخوبی جانتا ہے۔ ''جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو زیادہ کرتے ہیں اس کو بھی وہ بخوبی جانتا ہے۔ ہر چیز اس کے ہاں ایک مقدار کے مطابق ہے۔'' (الرعد:۸) کوئی بات

اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی چیز اس سے غائب ہے۔ ''کوئی پتہ گرتا نہیں مگر وہ اس کو جانتا ہے، زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ ہی کوئی رطب و یابس چیز ہے مگر وہ کتاب مبین میں موجود ہے۔'' [الانعام:٥٩] عمل کرنے والے جو کچھ کرتے ہیں اس کو بھی وہ جانتا ہے اور جس کی طرف پلٹنے والے پلٹتے ہیں اس کو بھی وہ جانتا ہے۔ ہم اس سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور ہلاکت سے بچنے کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کے بندے، رسول، امین اور چنیدہ ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کو نور ساطع، سراج لامع، ادلہ ظاہرہ، آیات و براہین باہرہ اور اعاجیب قاہرہ دے کر مخلوق کی طرف بھیجا۔ پس آپ نے اپنے رب کی رسالت کو پہنچایا، امت سے خیر خواہی کی، اللہ کے لیے یوں جہاد کیا جیسا کہ جہاد کا حق تھا، حتی کہ کلمۃ اللہ مکمل ہو گیا، رب تعالی کا امر ظاہر ہو گیا اور لوگ حق کے آگے جھک گئے۔ آپ ﷺ یہ جہاد اس وقت تک بغیر کوتاہی و سستی کرتے رہے جب تک کہ موت نے آنہ لیا، پس اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں کہ آپ واضح ہدایت کے قائد تھے اور آپ کے پاک اہل بیت، چنیدہ اصحاب اور آپ کی ازواج امہات المومنین پر بھی اللہ کی رحمتیں ہوں۔

آپ کے ذریعے اللہ تعالی نے ہمیں شرائع و احکام سے، اور حلال و حرام سے آگاہ کیا، شریعت اسلام کو ہمارے لیے ظاہر کیا حتی کہ اندھیری رات کی ظلمت ہم سے چھٹ گئی، شبہات دور ہو گئے، مقصود منکشف ہو گیا اور بینات واضح ہو گئیں۔ آپ ہمارے پاس وہ کتاب لے کر آئے جو ''عزت والی ایسی ہے کہ اس کے آگے پیچھے سے باطل نہیں آتا، خوب حکمت والے، حمد والے کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔'' [فصلت: ٤٠۔ ٤١] اس کتاب میں اللہ تعالی نے اولین و آخرین کا علم جمع کر دیا اور دین و فرائض کو کامل کر دیا۔ پس یہ کتاب اللہ کا صراط مستقیم اور حبل متین ہے۔ جو اس سے تمسک کرے گا نجات پائے گا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ذلالت و گمراہی میں پڑ گیا اور جہالت میں ہلاک ہو گیا۔ اللہ تعالی نے ہمیں اپنی کتاب میں اپنے رسول کی سنت سے تمسک کی ترغیب دلائی۔ اللہ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر : ۷]

''اور جو کچھ رسول تمہیں دے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور:۶۳]

''پس چاہیے کہ وہ لوگ اس بات سے ڈر جائیں جو اس کے امر کی مخالفت کرتے ہیں کہ ان کو فتنہ یا تکلیف دہ عذاب پہنچے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ [النساء: ۸۳]

''اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے اولی امر کی طرف لوٹا دیتے تو اس کو وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے اس کا استنباط کرتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ۵۹]

''پس اگر کسی بھی چیز میں تمہارا تنازعہ ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔''

یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی طرف اور فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ [النجم :۳۔ ۴]

''وہ (نبی) خواہش سے کچھ نہیں بولتا وہ محض کی گئی وحی ہوتی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

اِلَیَّ﴾ [یونس: ۱۵]

”کہہ دیجیے میرے لیے یہ نہیں ہے کہ میں خود سے اس کو بدل دوں، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔“

اور مزید ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ [النور: ٥٩]

”مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لیے بلایا جائے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو مومنین کی صرف یہی بات ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔“

پس اللہ تعالیٰ نے ان (مومنین) کو حکم دیا کہ وہ اس (نبی) کی بات سنیں اور اس کے حکم کی فرماں برداری کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی سنت سے تمسک کی طرف بلایا جیسا کہ ان کو اپنی کتاب پر عمل کرنے کا حکم بھی دیا۔ پس ان لوگوں میں سے کثیر تعداد نے، جن پر بدبختی غالب آچکی تھی اور شیطان ان پر تسلط قائم کر چکا تھا، اللہ کے نبی کی سنتوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اپنے اسلاف کی طرف مائل ہوئے اور دین میں ان کی تقلید کی، انھی کے دین کو اپنا دین بنایا، اللہ کے نبی کی سنتوں کا اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ابطال کیا، رد کیا اور انکار کیا۔ ”تحقیق وہ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے۔“ [الانعام: ١٤٠]

اللہ کے بندو! میں تمھیں اللہ عزوجل کے تقوے کی وصیت کرتا ہوں، اور دنیا سے ڈراتا ہوں۔ بلاشبہ یہ دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے۔ اپنے اہل کو نقصان دیتی ہے، اپنے باشندوں کو فریب میں مبتلا بھی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۝﴾ [الكهف: ٤٥]

”نیز ان کے لیے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجیے: جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین کی نباتات گھنی ہوگئی پھر وہی نباتات ایسا بھس بن گئی جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔“

اس دنیا میں جو کوئی بھی عیش و تنعم میں ہو یہ دنیا بعد میں اسے آنسو ہی عطا کرتی ہے جسے اپنی آسودگی دے اسے اپنی تنگی سے بھی نوازتی ہے۔ یہ بہت دھوکے باز ہے، جو کچھ اس میں ہے دھوکے کا سامان ہے۔

جو کچھ اس میں ہے وہ بھی فنا ہونے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے یہ کہہ کر اس پر حکم لگایا ہے۔ ”ہر وہ جو اس پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔“[الرحمن: ۲۶] پس اللہ تم پر رحم کرے۔ تم دائمی زندگی اور ہمیشگی کی خاطر عمل کرو، دنیا تو ختم ہو جانے والی ہے۔ دنیا والوں کے گلے میں اعمال ہی باقی رہ جائیں گے۔ اور جان لو کہ تم فوت ہونے والے ہو اپنی وفات کے بعد اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہو۔ ”تاکہ وہ ان لوگوں کو جنھوں نے برے عمل کیے ان کے اعمال کے سبب بدلہ دے اور جن لوگوں نے اچھا کیا ان کو اچھا بدلہ دے۔“[النجم: ۳۱]

پس تم اپنے رب کی اطاعت کے ساتھ عمل کرنے والے اور جس سے اس نے منع کیا اس سے باز آنے والے بن جاؤ۔

باب 1

اہل بدعت اور کج رو لوگوں کے موقف کا بیان

[۱]...... معتزلہ اور قدریہ۔ ❶

میں سے حق سے ہٹے لوگوں میں سے اکثریت کو ان کی خواہشات نے اپنے رؤساء اسلاف کی تقلید کی طرف مائل کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی آراء کے مطابق قرآن کی ایسی تاویل کی ہے جس کی اللہ نے نہ تو سلطان نازل کی ہے اور نہ ہی برہان، ان (کج رو) لوگوں نے اس تاویل کو رسول اللہ ﷺ سے بھی نقل نہیں کیا اور نہ ہی سلف متقدمین سے۔ ❷

[۲]...... آنکھوں سے رؤیت باری کے متعلق وہ روایات جو صحابہ نے نبی ﷺ سے بیان کیں، ان روایات کی انہوں نے مخالفت کی، حالانکہ ان کے متعلق آثار واخبار متواتر ہیں۔

[۳]...... انہوں نے نبی ﷺ کی سفارش کا بھی انکار کیا ہے اور اسلاف رفتگان سے مروی روایات کو رد کر دیا ہے۔

[۴]...... عذاب قبر اور کفار کے قبروں میں عذاب دیے جانے کا انکار بھی انہوں نے کیا ہے۔ ❸ جب کہ صحابہ وتابعین کا اس پر اجماع ہے۔

[۵]...... اپنے مشرکین بھائیوں کی مانند جنہوں نے کہا تھا: ''یہ تو محض بشر کا کلام ہے۔'' [المدثر: ۲۵] انہوں نے بھی خلق قرآن کا عقیدہ اپنایا۔

[۶]...... اور مجوسیوں کی مانند، جو دو خالقوں کا اثبات کرتے ہیں ایک خیر کا خالق دوسرا

---

❶ معتزلہ اور قدریہ کی تعریف مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

❷ یہ عبارت اس بات کا ثبوت ہے کہ عقیدہ کا اثبات قرآن وحدیث اور اجماع سلف ہی سے ہوتا ہے۔ ہر وہ عقیدہ جس کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہیں، اس پر اجماع صحابہ وسلف نہیں تو وہ مردود ہے۔

❸ تمام معتزلہ عذاب قبر کے منکر نہیں، کئی ایک معتزلہ کے فرق عذاب قبر کا اثبات کرتے ہیں۔ دیکھیے: شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید المعتزلی۔

شر کا خالق، یہ بھی اس بات کا اثبات کرتے ہیں کہ بندے شر کو پیدا کرتے ہیں۔

قدریہ کا گمان ہے کہ اللہ عزوجل خیر کو پیدا کرتے ہیں اور شیطان شر کو۔ ❶

ان کا گمان ہے کہ اللہ عزوجل ایسی چیز بھی چاہتا ہے جو ہوتی نہیں، اور وہ کچھ بھی ہوتا ہے جو اللہ نہیں چاہتا۔ [یہ موقف] اس کے خلاف ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے تو وہ نہیں ہوتا۔ اہل قدر نے یہ موقف اللہ عزوجل کی یہ آیت رد کرتے ہوئے اپنایا ہے: ''تم نہیں چاہتے کہ اللہ چاہے'' [الدھر: ۳۰] پس اللہ تعالی نے یہ خبر دی ہے کہ ہم کچھ نہیں چاہتے مگر اللہ نے چاہا ہوتا ہے کہ ہم وہ چاہیں۔ [اللہ تعالی نے فرمایا:] ''اور اگر اللہ تعالی چاہتا تو وہ نہ لڑتے۔'' [البقرہ: ۲۵۳]

[اور فرمایا:] ''اور اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیں۔'' [السجدۃ: ۱۳] اور فرمایا: ''وہ اس کو کر گزرنے والا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔'' [البروج: ۱۶] اور اللہ تعالی نے اپنے نبی شعیب کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے کہ ''اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں الا یہ کہ ہمارا رب اللہ چاہے، ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو وسیع ہے۔'' [الاعراف: ۸۹] اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ''اس امت کا مجوسی'' ❷ قرار دیا کہ انہوں نے مجوسیوں کے دین میں ان کی ہم نوائی کی اور ان کے موقف کی مشابہت کی، اور جیسا کہ مجوس نے گمان کیا انہوں نے بھی گمان کیا کہ خیر و شر کے دو خالق ہیں اور ایسا شر بھی پایا جاتا ہے جو اللہ نہیں چاہتا جیسا کہ مجوسی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اللہ سے ہٹ کر یہ خود

---

❶ یہ بات اس خیر کے متعلق تو درست ہو سکتی ہے جو انسان کے فعل سے خارج ہو وگرنہ معتزلہ کے نزدیک انسان اپنے فعل کا خالق ہے، خواہ وہ خیر ہو خواہ شر۔ جس نے بھی یہ نقل کیا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک انسان صرف اپنے بد اعمال کا خالق ہے اس کو غلطی لگی ہے۔ افادہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فی بعض کتبہ۔

❷ ابو داؤد: ٤٦٩١، حاکم ١/١٥٩، لالکائی ٣/ ٦٣٩۔ اور ہم معنی روایت کے لیے دیکھیے مسند احمد: ٢/٨٦، ٥/٤٠٦۔٤٠٧، الشریعۃ: ١٩٥، ابو داود: ٤٢٩٢، ابن ماجہ: ٩٢ شیخ البانی نے ان حدیثوں کو حسن کہا ہے۔ صحیح الجامع: ٤٣١٨)

اپنے نفوس کے نفع ونقصان کے مالک ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے "آپ کہہ دیجیے میں اپنے نفس کے کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے جو اللہ چاہے" [الاعراف: ۱۸۸] اہل قدر کے یہ گمان قرآن سے اور جس پر اہل اسلام کا اجماع ہے اس سے اعراض کی صورت ہیں۔

[۷]...... اہل قدر کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے رب سے ہٹ کر اپنے اعمال پر قدرت رکھنے میں منفرد ہیں۔ یوں اپنے نفوس کے لیے انہوں نے اللہ سے بے پروائی ثابت کی، اور اپنے نفوس کی ان اشیاء پر قدرت ثابت کی جن پر اللہ کی قدرت ثابت نہیں کی، جیسا کہ مجوس لعنھم اللہ نے شیطان کی شر پر وہ قدرت ثابت کی جو اللہ کے لیے ثابت نہیں کی۔ پس یہ "اس امت کے مجوسی ہوئے" کہ انہی کے دین کو اپنایا، انہی کے اقوال سے تمسک کیا اور انہی کی گمراہیوں کی طرف مائل ہوئے۔

[۸]...... انہوں نے لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید کیا، اس کی روح سے یاس دلائی اور نافرمانوں پر خلود فی النار کا برخلاف قول ربانی حکم لگایا کہ اللہ کا تو فرمان ہے۔ "اور اس سے کم جس کے لیے وہ چاہے وہ بخش دیتا ہے۔" [النساء: ٤٨]

[۹]...... ان کا یہ بھی موقف ہے کہ جو دوزخ میں داخل ہو گیا پھر باہر نہیں نکلے گا، یہ موقف ان روایات کے خلاف ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں کہ "بے شک اللہ عزوجل ایک قوم کو جہنم سے اس کے بعد نکالے گا کہ وہ اس میں کوئلے ہو چکے ہوں گے" [1]

[۱۰]...... اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے باوجود ﴿وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ "اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہ جائے گا جو جلال و اکرام والا ہے۔" [الرحمن: ۲۷] انہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ اللہ کا چہرہ ہو۔

[۱۱]...... باوجود اللہ کے اس فرمان کے اللہ کے دو ہاتھوں کا بھی انکار کیا ہے: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ [ص: ۷۵]

[1] بخاري: ٧٤٣٧، ٦٥٧٣، ٨٠٦ و مسلم: ١٨٢.

[۱۲]...... اللہ سبحانہ کے فرمان کے باوجود کہ ﴿ تَجۡرِيۡ بِاَعۡيُنِنَا ﴾ "ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔" [القمر:١٤] انھوں نے اس بات کا بھی انکار کیا ہے کہ اس کی دو آنکھیں ہوں۔

[۱۳]...... ﴿ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ ﴾ "اس نے اس کو اپنے علم سے نازل کیا۔" [النساء: ١٦٦] کے باوجود انھوں نے اللہ کے علم کا انکار کیا ہے۔

[۱۴]...... ان لوگوں نے اس بات کا بھی انکار کیا ہے کہ اللہ کی قوت ہے۔ حالانکہ ارشادِ ربانی ہے ﴿ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ ﴾ "خوب قوت والا متین ہے۔" [الذاريات:٥٨]

[۱۵]...... رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث کہ بلاشبہ اللہ عزوجل ہر رات آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے۔ [1] یہ لوگ نفی کرتے ہیں۔ اور ثقات سے مروی دیگر احادیث کی بھی نفی کرتے ہیں۔

[۱۶]...... اسی طرح جہمیہ، [2] مرجۂ اور حروریہ [ان تینوں فرق کا تعارف مقدمہ میں گزر چکا ہے۔] کے جمیع مبتدعین اور اہل زیغ اپنی بدعات میں اور ان چیزوں میں جن میں انھوں نے کتاب و سنت کی؛ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی، اور امت کے اجماع کی مخالفت کی ہے معتزلہ اور قدریہ کی طرح ہی کرتے ہیں۔ میں ان شاء اللہ الگ الگ تبویب کر کے یہ سب بیان کروں گا تمھارے لیے میں اللہ ہی سے مدد کا خواست گار ہوں۔

[1] [بخاري:٧٤٩٤،٦٣٢١،١١٥٥، و مسلم:٧٥٨، ابو داود:٤٧٣٣، ابن ماجه: ١٣٦٦، مالك:١/٢١٤۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ البانی کی الارواء : ٤٥٠، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے شرح حدیث النزول]

[2] مصنف رحمہ اللہ نے خود اس فرقہ کے عقیدہ کی وضاحت کی ہے دیکھیے مقالات الاسلامیین :١/١٣

باب 2

اہل السنہ والحق کے قول کا بیان

[۱]...... اگر کوئی کہنے والا کہے: تم نے معتزلہ، قدریہ، جہمیہ، حروریہ، روافض اور مرجئہ کے قول کا تو انکار کر دیا ہے، ہمیں اپنے موقف سے تو آگاہ کرو جس کے تم قائل ہو۔

[۲]...... تو اس سے کہا جائے گا: ہمارا موقف جس کے ہم قائل ہیں اور ہمارا دین جس پر ہم کار بند ہیں وہ اپنے رب کی کتاب، اپنے نبی کی سنت، اور جو صحابہ، تابعین اور ائمہ محدثین سے مروی ہے اس سے تمسک ہے۔ ہم اسی کو مضبوطی سے تھامنے والے ہیں۔ اور جس کے ابوعبداللہ احمد بن حنبل۔ "اللہ ان کا چہرہ تروتازہ رکھے، ان کے درجہ کو بلند فرمائے اور ان کو ثوابِ جزیل سے نوازے" قائل تھے، ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ جو عقیدہ ان کے قول کے مخالف ہے ہم بھی اس عقیدہ کے مخالف ہیں۔ کیوں کہ آپ ایسے امام فاضل اور رئیس کامل ہیں جس کے ذریعے اللہ نے حق کو واضح کیا، گمراہی کو دفع کیا، منہج کو منکشف کیا اور مبتدعین کی بدعت، شک کرنے والوں کا شک اور کج رووں کی کجی کا قلع قمع کیا۔ پس اللہ کی اس امام مقدم، جلیل معظم اور کبیر مفہم پر رحمت ہو۔ ❶

❶ امام احمد رحمہ اللہ ان نمایاں ترین اشخاص میں سے تھے جن کی محبت کو اہل السنہ میں سے ہونے کی علامت قرار دیا گیا۔ بالخصوص خلق قرآن کے مسئلہ کے بعد آپ کو اللہ نے امامت اہل السنہ کا مقام عطا فرمایا۔ حتی کہ امام اہل السنہ کہا جائے تو ذہن انہی کی طرف متبادر ہوتا ہے۔ یہاں جس طرح مؤلف نے امام احمد کے قول کو اپنانے کی وضاحت کی ہے اسی طرح دیگر کبار آئمہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ابن جریر طبری صریح السنہ میں مؤلف ہی کی طرح فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ امام اہل السنہ کہنے کا مطلب اہل السنہ کے ہاں ویسا نہیں جیسا غلاۃ المقلدین کے ہاں امام کا معنی ہوتا ہے۔ بلکہ اہل السنہ کے ہاں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر کسی کی بات رد بھی ہوسکتی ہے اور قبول بھی۔ اگر شریعت کے موافق ہو تو حق اور مخالف ہو تو مردود۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ تقوی، فقہ اور حدیث وغیرہ میں نمایاں افراد کو امام کہا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن میں مومنین کی دعا ہے: واجعلنا للمتقین اماماً۔ [امام احمد کے حالات پر ہم نے تفصیلی بحث اپنی مطبوعہ کتاب مجموعہ مقالات اصول السنہ لاامام احمد کے مقدمہ میں کر دی ہے۔

[۳]...... ہمارے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتب کا، اس کے رسولوں کا، جو کچھ وہ رسول، اللہ کے پاس سے لے کر آئے اس کا، اور ثقات نے جو رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے اس کا اقرار کرتے ہیں۔ ❶ ان میں سے کسی چیز کو بھی ہم ترک نہیں کرتے۔ ❷

[۴]...... ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ عزوجل ایک الٰہ ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں۔ یکتا و بے نیاز ہے۔ نہ تو اس کی بیوی ہے نہ ہی اولاد، بلاشبہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے۔ ❸

[۵]...... اور بلاشبہ جنت و دوزخ برحق ہیں۔ ❹

[۶]...... قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

[۷]...... اور یقیناً اللہ تعالیٰ جو قبروں میں ہیں ان کو اٹھانے والے ہیں۔ ❺

[۸]...... ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ ❻

جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ [طه: ٥]

”رحمان جو عرش پر مستوی ہوا۔“

---

❶ یعنی عقیدہ ضعیف اور موضوع روایات سے ثابت نہیں ہوتا۔ رہی اخبار احاد تو ان کو رد کرنا جب ان کی سند صحیح ہو، خواہ وہ اصول میں ہوں یا فروع میں، گمراہی کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب تخریج وتحقیق کے اصول وضوابط]

❷ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:٤٠٣۔

❸ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:١٥ـ٤٢ـ١١٠ـ١٣٥

❹ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:٤٨٤ـ٤٩٩

❺ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:٤٦٣ـ٤٨٤

❻ بعض دیگر نسخ میں یہاں ایک ایسی عبارت کا اضافہ ہے جو اہل السنہ کے موقف سے موافقت نہیں رکھتی۔ وہ عبارت دراصل امام غزالی اشعری صوفی غفر اللہ لہ کی ہے۔

[۹]...... اور بلا کیف اس کے چہرے کا اقرار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [الرحمن:۲۷]

''اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہ جائے گا جو جلال و اکرام والا ہے۔''

[۱۰]...... اور بلا کیف اس کے دو ہاتھوں کا اقرار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ [ص: ۷۵] ''جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا' اور جس طرح فرمایا: ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ [المائدہ:٦٤] ''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ مبسوط ہیں۔''

[۱۱]...... اور بلا کیف اس کی دو آنکھوں کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا﴾ [القمر:١٤] ''ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی۔'' ❶

[۱۲]...... اور ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ جس نے گمان کیا کہ اللہ کے اسماء اس کا غیر ہیں تو وہ گمراہ ہے۔ ❷

[۱۳]...... اور اللہ کے لئے علم ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ [النساء:١٦٦] اس نے اس کو اپنے علم سے نازل کیا۔ اور فرمایا: ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾ [الفاطر:۱۱] اور نہ تو کوئی مونث حاملہ ہوتی ہے اور نہ کوئی جنتی ہے مگر اس کے علم کے ساتھ۔

[۱۴]...... ہم اللہ کے لئے سمع و بصر کا بھی اثبات کرتے ہیں اور ان کی اس طرح نفی نہیں کرتے جس طرح معتزلہ، جہمیہ اور خوارج نے کی ہے۔

[۱۵]...... ہم اللہ تعالی کے لئے قوت کا بھی اثبات کرتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا:

---

❶ ہم نے ان تمام مذکورہ صفات پر سیر حاصل بحث اپنی کتاب شرح رسالہ نجاتیہ ص:۶۷۔۷۶ پر تفصیل سے کردی ہے الحمدللہ۔ اس نادر کتاب کی طرف رجوع بہت ضروری ہے کیونکہ یہ ۱۱۶۱ھ میں لکھی گئی۔

❷ کیا اسم عین مسمی ہے یا غیر مسمی؟ یا اسم للمسمی ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ جہمیہ ومعتزلہ غیر کہہ کر اللہ کے اسماء کو مخلوق قرار دیتے ہیں کہ جو اللہ کا غیر ہے وہ مخلوق ہے! علماء نے اس پر سخت نکیر کی ہے حتی کہ امام احمد نے کہا ہے یہ واضح کفر ہے۔ امام شافعی نے ایسا کہنے والے پر زندیق ہونے کی گواہی دینے کا کہا ہے۔ (مناقب الشافعی ١/ ٤٠٥، عقائد السلف١/ ٤٠٥، اصول الاعتقاد ٢/ ٢١٥،٢٠٤) یاد رہے درست بات یہ ہے کہ اسم مسمی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ دیکھیے مجموع الفتاوی [٦/١٨٥۔ ٢١٢] مزید دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:٨٠۔٨١

﴿ أَوَ لَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴾ [فصلت:١٥] کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بلا شبہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ قوت میں ان سے سب سے زیادہ ہے۔

[۱۶]...... ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

[۱۷]...... اور اس نے کوئی چیز بھی پیدا نہیں کی مگر اس کو کن کہا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنٰهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ [النحل:٤٠]❶ ''جب ہم کسی چیز کا ارادہ کریں تو ہمارا قول اس کے لئے یہی ہوتا ہے کہ ہم اس کو کہتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

[۱۸]...... اور بلا شبہ زمین میں خیر وشر سے کچھ بھی نہیں ما سوائے اس کے جس کو اللہ نے چاہا ہے۔ اور اشیاء اللہ عزوجل کی مشیت ہی سے ہوتی ہیں اور کوئی بھی کوئی کام کرنے سے قبل اس کام کو کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

[۱۹]...... نہ تو اللہ سے کوئی مستغنی ہو سکتا ہے اور نہ ہی اللہ کے علم سے نکل جانے پر قدرت رکھ سکتا ہے۔ ❷

[۲۰]...... اللہ کے سوا کوئی خالق بھی نہیں اور بندوں کے اعمال مخلوق و مقدر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [الصافات:٩٦] ''اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور اس کو بھی جو تم عمل کرتے ہو۔'' بندے کوئی چیز بھی پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جب کہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ ﴾ [الفاطر:٣] ''کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴾ [النحل:٢٠] ''وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ أَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ﴾ [النحل:١٧] ''کیا پس جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی مانند ہے جو پیدا نہیں کرتا۔'' اور فرمایا: ﴿ أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴾

❶ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:١٤٩۔١٥٠

❷ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:٩٣۔٩٨

[الطور:۳۵] کیا وہ بغیر کسی شئ کے پیدا کئے گئے ہیں یا وہ خود خالق ہیں۔ اس طرح کی کتاب اللہ میں کثیر آیات ہیں۔

[۲۱]...... اور بے شک اللہ تعالی نے مومنین کو اپنی اطاعت کی توفیق بخشی، ان پر لطف کیا، ان کی اصلاح فرمائی اور ہدایت سے نوازا۔ اسی نے کفار کو گمراہ کیا اور ہدایت نہ دی اور نہ ہی اپنی آیات کے ذریعے ان پر لطف کیا (بخلاف) کج رو اور سرکش لوگوں کے موقف کے، اگر اللہ نے ان پر لطف کیا ہوتا اور اصلاح فرمائی ہوتی تو وہ نیک ہوتے۔ اگر ان کو ہدایت دی ہوتی تو وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

[۲۲]...... اور یقیناً اللہ تعالی کافروں کی اصلاح اور ان پر لطف کرنے پر قادر ہے کہ وہ ایمان والے ہو جائیں، لیکن اس نے اپنے علم کے مطابق ارادہ کیا وہ کافر ہوں، ان کو رسوا کر دیا اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

[۲۳]...... بلا شبہ خیر اور شر اللہ کی قضا اور قدر کے ساتھ ہے۔ بے شک ہم اللہ کی قضا، تقدیر، بری اور اچھی میٹھی اور کڑوی پر ایمان لاتے ہیں۔ [1]

---

[1] حلوہ ومرہ پر بحث:

متن کتاب میں امام اشعری رحمہ اللہ نے جو اضافہ (حلوہ ومرہ، میٹھی یا ناخوشگوار ہو) نقل کیا ہے۔

یہ سنن ابن ماجہ (۸۷) میں ہے لیکن یہ اضافہ ثابت نہیں ہے امام بوصیری نے اس کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالاعلی ضعیف راوی ہے (زوائد ج۱ ص ۵۲ اور شیخ البانی نے اس کو سخت ضعیف کہا ہے۔ ضعیف سنن ابن ماجہ :۸۔ ۹) معرفة علوم الحديث للحاكم (۳۱،۳۲) اس میں یزید الرقاشی ضعیف ہے (التقریب: ۷٦۸۳) بلکہ امام نسائی نے اس کو متروک اور امام احمد نے منکر الحدیث کہا ہے (میزان الاعتدال: ٤/ ٤١٨) نیز اس روایت کو الشیخ یاسین الفادانی نے ورقات (مجموعة المسلسلات والاوائل الاسانيد العالية ص ٦،٧) میں اس کو مسند فردوس للدیلمی کی طرف منسوب کیا ہے۔

المعجم الاوسط للطبرانی (۳/ ۱۱۱) اس کی سند میں عمر بن الصبح سخت ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد :۷/ ۳۹۷)

امام ذہبی نے کہا: كلام صحيح لكن الحديث واه لمكان الرقاشي۔ یہ بات درست ہے لیکن یہ روایت سخت کمزور ہے رقاشی کی وجہ سے۔ (السیر ۸/ ۲۸۷) امام احمد نے بھی اپنی باتوں میں حلوہ ومرہ کا ذکر کیا ہے اور اس کو کسی حدیث کی طرف نسبت نہیں کیا اور امام اشعری نے بھی اس اضافے کو کسی حدیث کی طرف ⇐

اور جانتے ہیں کہ جو ہم سے چوک گیا ہے وہ ہمیں پہنچنے والا نہ تھا اور جو ہمیں پہنچا وہ ہم سے چوکنے والا نہ تھا۔ [1] اس میں بھی کچھ شک نہیں بندگان باری اس کے سوا اپنے لیے کسی بھی طرح کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ جیسا کہ اس نے فرمایا

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ [الاعراف:۱۸۸] [2]

''کہہ دیجیے: میں اپنے نفس کے لیے کسی بھی نفع اور نقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

[۲۴]...... ہم اپنے معاملات اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور ہر لحہ اس کی طرف اپنے احتیاج وفقر کا اثبات کرتے ہیں۔

[۲۵]...... ہم یہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور جو خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ [3]

اور ہمارا دین ہے کہ اللہ آخرت میں آنکھوں سے یوں دیکھا جائے گا جیسے چودھویں کا چاند دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالی کو صرف مومنین ہی دیکھ پائیں گے جیسا آپ ﷺ سے مروی ہے [4] جب مومنین جنت میں اس کا دیدار کریں گے تو کافر اس کے دیدار سے محجوب ہوں گے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

⇦⇦ منسوب نہیں کیا۔ نیز دیکھیں: ہماری کتاب شرح اصول السنہ للحمیدی ص:۳۷۔ ۳۸]

[1] ترمذی:۲۵۱۸، احمد:۲۹۳، ۳۰۷، ۳۰۳، ابن السنی:۴۲۵، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے نورالاقتباس فی شرح وصیة ابن عباس لابن رجب الحنبلی۔

[2] دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:۱۰۵، ۱۰۸، ۲۴۸، ۲۹۰۔

[3] تفصیل کے لئے دیکھیے (التوحید لابن منده :۱۳۶، الاسماء والصفات للبیهقی: ج۱ ص۲۹۹، الشریعه للآجری ص:۷۵ نیز دیکھیں ہماری کتابیں: شرح رساله نجاتیه ص:۴۱۔ ۴۸، شرح اصول السنة للحمیدی ص:۵۹۔ ۶۴ اور مترجم عقیدة السلف و اصحاب الحدیث للصابونی ص:۳۷۔ ۴۵۔

[4] دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص: ۱۶۳، ۱۸۱، ۱۴۵، ۲۰۴

﴿ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴾ [المطففين:١٥]

''ہرگز نہیں بے شک وہ اس دن اپنے رب سے محجوب ہوں گے۔''

[۲۶]...... بلا شبہ موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کا سوال کیا تو اللہ پہاڑ کے لیے متجلی ہوا، اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ یوں موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کیا کہ وہ دنیا میں اس کا دیدار نہیں کریں گے۔ ❶

[۲۷]...... خوارج کے عقیدے کے برخلاف ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کسی گناہ کے ارتکاب کے سبب کافر قرار نہیں دیتے مثلاً: زنا، چوری اور شراب نوشی وغیرہ۔ خوارج سمجھتے ہیں کہ یہ گناہ کرنے والے لوگ کافر ہیں۔ ❷

[۲۸]...... ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ان کبائر مثلاً: زنا، چوری وغیرہ میں سے کوئی کبیرہ گناہ، گناہ کو حلال جانتے ہوئے اور اس کی حرمت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے کرے تو وہ کافر ہے۔

[۲۹]...... ہمارا موقف ہے کہ اسلام ایمان سے اوسع ہے اور ہر اسلام ایمان نہیں۔ ❸

[۳۰]...... ہمارا دین ہے کہ اللہ عزوجل اپنی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان سے دلوں کو پھیرتا ہے۔ ❹ اور جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ہم بغیر تکییف کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر رکھے گا۔ ❺

[۳۱]...... ہم اہل توحید اور متمسکین بالایمان میں سے سوائے ان لوگوں کے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی گواہی دی ہے کسی کو بھی جنت کا باسی قرار نہیں دیتے۔

---

❶ ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا ثابت نہیں ہے اس پر قدر تفصیل سے بحث ہم نے مجموعہ مقالات اصول السنہ لامام احمد بن حنبل ص:۳۷۔ ۳۹ میں کر دی ہے۔

❷ اہل السنہ جب یہ عبارت ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہوتی کہ کوئی عمل بھی ایمان کا ناقض نہیں۔ اہل السنہ کی اس عبارت سے مراد وہ گناہ ہیں جو نواقض اسلام میں سے نہیں۔

❸ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:۲۳۸۔۳۵۰

❹ صحیح مسلم:٢٦٥٤۔ مسند احمد:٢/١٦٨۔١٧٣، ترمذی:٣٢٣٦، ٣٢٣٨

❺ صحیح بخاری:٤٨١١، صحیح مسلم:٢٧٨٦۔

گناہ گاروں کے لیے جنت کی امید رکھتے ہیں اور ان کے متعلق ڈرتے ہیں کہ مبادا وہ دوزخ میں عذاب دیے جائیں۔ ❶

[۳۲]...... ہم کہتے ہیں: بلاشبہ اللہ عزوجل رسول اللہ ﷺ کی سفارش کی بدولت ایک قوم کو دوزخ سے ان کے جل جانے کے بعد نکالے گا۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی روایت کی

❶ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا: [۶۰] اور نہ ہم قبلہ والوں میں سے کسی ایک کے جنت میں لے جانے والے عمل کو دیکھ کر اس کے جنتی یا (جہنم میں لے جانے والے عمل کو دیکھ اس) جہنمی ہونے کی گواہی دیں گے [اس قاعدے سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کے متعلق گواہی قرآن و حدیث میں موجود ہے مثلاً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن و حدیث میں بے شمار دلائل ہیں کہ وہ جنتی ہیں ہم ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں اسی طرح ابولہب، ابوجہل وغیرہما کے جہنمی ہونے کے متعلق قرآن و حدیث میں دلائل موجود ہیں اس لیے ہم بھی ان کے جہنمی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔] ہم نیک کے لیے امید رکھتے ہیں اور اس پر ڈرتے بھی ہیں اور اسی طرح گناہ گار پر ڈرتے ہیں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید بھی رکھتے ہیں۔

[۶۱] جو شخص اللہ تعالیٰ کو ایسے گناہ کی حالت میں ملے جس کے بدلے اس کے لیے جہنم واجب ہو، وہ اپنے اس گناہ سے توبہ کرنے والا ہے اور اصرار نہیں کرنے والا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور وہ تو وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور ان کی برائیوں کو معاف کرتا ہے۔ (الشوری:۲۵)]

[۶۲] جو اللہ تعالیٰ کو اس حالت میں ملا کہ اس کو اس کے گناہ کے بدلے دنیا میں ہی حد لگا دی گئی، تو یہ حد اس کے لیے کفارہ ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث آئی ہے [آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اور اس پر حد قائم کر دی گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ (حسن۔ مسند احمد: ج۵ ص۲۱٤)]

[۶۳] اور جو بغیر توبہ کے اور اپنے گناہ پر اصرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو ملا تو گناہ کے بدلے سزا کا مستحق ہے۔
اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے گا اور چاہے تو اس کو معاف کر دے۔

[۶۴] اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا کافر ہونے کی حالت میں ملا، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا اور اس کو معاف نہیں کرے گا۔

[۶۵] وہ شخص جس نے زنا کیا اگر وہ شادی شدہ ہے، جب وہ اعتراف کر لے یا اس کے خلاف دلیل قائم ہو جائے تو اس کو رجم کرنا حق ہے اور واجب ہے اور یقیناً رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی رجم کیا ہے۔ (مجموعہ مقالات اصول السنہ لامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ص:۵۰ـ ۵۲)]

تصدیق کرتے ہوئے ہم یہ بات کہتے ہیں۔ ❶

[۳۳]...... عذاب قبر پر ہم ایمان لاتے ہیں۔

[۳۴]...... حوض پر ایمان لاتے ہیں۔

[۳۵]...... ترازو بلاشبہ برحق ہے۔

[۳۶]...... پل صراط بھی برحق ہے۔

[۳۷]...... بعث بعد الموت بھی برحق ہے۔ ❷

[۳۸]...... اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندگان کو موقف میں ٹھہرائے گا اور ایمان والوں کا محاسبہ کرے گا۔ ❸

---

❶ حدیث شفاعہ کے لیے دیکھیے بخاری: ۳۳۴۰، مسلم:۱۹٤، احمد:۲/٥٤۰، ترمذی: ۲٤۳٦ [امام فاخر زائر الہ آبادی (م:۱۱۶۴ھ) شفاعت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لوگوں کا انبیاء اور صلحاء کی قبروں پر جا کر حاجات طلب کرنا، انھیں وسیلہ بنانا اور ان سے سفارش کی امید رکھنا بے کار ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کے لیے لب کشائی نہیں کر سکتے، ہاں اللہ تعالیٰ جب کسی پر مہربانی کرنا چاہے گا تو انہیں اجازت دے دے گا، پھر یہ سفارش کریں گے اس کے علاوہ اگر کوئی شخص عمر بھر قبر پر آ کر سفارش طلب کرتا رہے تو اس کی یہ کوشش بے کار اور سعی لا حاصل ہوگی کیونکہ صاحب قبر بلا اجازت سفارش پر قادر نہیں ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرۃ : ۲٥٥]

[کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے]

نیز فرمایا: ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ﴾ [السجدۃ:٤]

[اس کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے]

وغیرہ آیات اس پر شاہد ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے (جو ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے) کیوں اپنی حاجت طلب نہیں کرتے؟ اس کی رحمت کیوں نہیں چاہتے، اس سے بخشش کیوں نہیں مانگتے اور اس سے ہی کسی شفیع کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟ جو اس کی اجازت سے اس کا کام سرانجام دے دے، یقیناً یہ باتیں آج کے قبر پرستوں اور پیر پرستوں کو سخت ناگوار گزریں گی لیکن کیا کیا جائے کہ صرف حق ہی اس لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ (رسالہ نجاتیہ ص:۸۳۔ ۸٤)

❷ ان مسائل کی تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب شرح رسالہ نجاتیہ ص:۷۹۔ ۸۱۔

❸ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:۲۲۰۔۲٥۸، ٤٥۱۔٤٦۳

[۳۹]...... (ہمارا عقیدہ یہ ہے) کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح احادیث جن کو ثقہ عادل راویوں نے عادلوں سے رسول اللہ ﷺ تک بیان کیا ہے ہم ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

[۴۰]...... ہمارا دین محبت سلف پر مشتمل ہے جن کو اللہ تعالی نے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چن لیا۔ ہم ان سے تولی رکھتے ہیں اور ان پر اسی طرح ثناء کرتے ہیں جیسے اللہ تعالی نے ان پر کی ہے۔

[۴۱]...... ہمارا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام فاضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کے ذریعے دین کو عزت دی اور آپ کو مرتدین پر غلبہ عطا کیا۔ مسلمانوں نے آپ کو اسی طرح امامت کے لیے مقدم کیا جیسے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو نماز کے لیے مقدم کیا۔ ❶ تمام مسلمانوں نے آپ کو خلیفۃ رسول اللہ ﷺ کے لقب سے موسوم کیا۔ ابوبکر صدیق کے بعد عمر بن خطاب اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کا درجہ ہے۔ جن لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا انھوں نے ظلماً وعدواناً آپ کو قتل کیا۔ ان کے بعد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ پس یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ائمہ ہیں اور ان کی خلافت، خلافت نبوت ہے۔ ❷

---

❶ بخاری:٦٧٨، مسلم:٨٢٠

❷ [امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں سے سب سے بہترین اور افضل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں [سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کے دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ازروئے مرتبہ درجہ بندی کرتے تھے چنانچہ ہم سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو درجہ دیتے تھے۔ (صحیح بخاری:٣٦٥٥) محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ انہوں نے کہا: ابوبکر۔ میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:٣٦٧١، نیز دیکھیے مسند احمد:٨٣٥)]

ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ()

ہم ان تینوں کو مقدم کریں گے جس طرح انہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے مقدم کیا ہے، اور انھوں نے ⇦⇦

⇦⇦ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔

پھر ان کے بعد اصحاب الشوریٰ کا درجہ ہے جو پانچ ہیں: سیدنا علی بن ابی طالب، زبیر، طلحہ، عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ہیں یہ تمام خلافت کے قابل تھے اور سب کے سب امام تھے۔

ہم اس مسئلہ میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی شمار کرتے تھے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تھے پھر ہم خاموشی اختیار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ٣٦٥٥۔ ٣٦٩٧)

اصحاب شوریٰ کے بعد مہاجرین میں سے بدر والے پھر انصار میں سے بدر والے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے۔ ہجرت اور سبقت لے جانے والوں کے اعتبار سے۔ پہلے آنے والا پہلے شمار کیا جائے گا۔ پھر ان کے بعد افضل لوگ وہ ہیں جن کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ وہ زمانہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہر وہ شخص جس نے ایک سال آپ کی صحبت اختیار کی یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھنٹہ یا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ پس وہ آپ کے صحابہ میں شمار ہوگا۔ اس کے لیے اتنی صحبت ہے جتنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہے اور اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سبقت لے جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ کو دیکھا۔

پس ان میں سے ادنیٰ ترین صحبت والا ان تمام لوگوں سے افضل ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اگر چہ وہ اپنے تمام اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ملیں۔ [محاسن صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق امام احمد کے مزید اقوال کے لیے دیکھیں (السنة لعبدالله بن احمد: ١/٢٣٤) حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ تمام صحابی عادل، ثقہ، ثبت اور انتہائی پسندیدہ ہیں تمام علماء اہل حدیث اس بات پر متفق ہیں (التمہید: ٢٢/٤٧) اور امام قرطبی نے کہا کہ صحابہ کرام سب سے عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے اولیاء واصفیاء ہیں، انبیاء و رسل کے بعد تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور اس امت کے ائمہ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک چھوٹی سی (گمراہ) جماعت کا خیال ہے کہ صحابہ کا حال بھی عام انسانوں کی طرح ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنی عدالت کی چھان بین کی ضرورت ہے۔ (تفسیر قرطبی: ١٦/٢٩٩) عشرہ مبشرہ کے متعلق امام احمد کے دیگر اقوال کے لیے دیکھیں (مناقب الامام احمد ص: ١٧٠)]

اور یہ وہ لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بنے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

[٤٦] اور جس انسان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہے، چاہے ایک لحہ کے لیے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو وہ تمام تابعین سے افضل ہے۔ اگر چہ ان کے تمام اعمال ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ (مجموعہ مقالات اصول السنہ لامام احمد بن حنبل ص: ٤٣۔ ٤٦)]

[۴۲]...... وہ دس صحابہ جن کے لیے نبی ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی ہم ان کے متعلق جنت کی گواہی دیتے ہیں۔ ❶

[۴۳]...... ہم تمام صحابہ رسول ﷺ سے موالات رکھتے ہیں اور جو ان کا آپس میں اختلاف ہوا اس کے تزکرے سے زبان کو روکے رکھتے ہیں۔

[۴۴]...... ہم یہ دین رکھتے ہیں کہ خلفائے اربعہ اہل الفضل ،اہل الرشد اور اہل الهدایہ میں ان کا غیر فضیلت میں ان کے برابر نہیں۔

[۴۵]...... آسمان دنیا کے متعلق روایات جن کو اہل الفضل ثابت قرار دیتے ہیں ہم ان تمام روایات کی تصدیق کرتے ہیں اور بے شک رب عز وجل فرماتا ہے: کیا کوئی سائل ہے؟ کیا کوئی بخشش کا طلب گار ہے؟ ❷

[۴۶]...... جن مسائل میں ہمارا اختلاف ہو اس مسئلہ میں اپنے رب کی کتاب ،اپنے نبی کی سنت اور مسلمانوں کے اجماع یا جو اجماع کے معنی میں ہو اس کے مطابق کہتے ہیں۔

[۴۷]...... ہم اللہ کے دین میں جس کی اس نے ہمیں اجازت نہیں دی ،بدعات نہیں گھڑتے۔ ❸

[۴۸]...... جو ہم جانتے نہیں کہ یہ اللہ کی بات ہے، وہ بات اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔

[۴۹]...... ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت آئے گا جیسا کہ فرمان ہے: ﴿وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر:٢٢) ”اور آپ کا رب آئے گا اس حال میں کہ فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔“ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے

❶ یہ حدیث صحیح ہے دیکھیے ابو داود:٤٦٤٩، ترمذی:٣٧٤٩،ابن ماجہ:١٣٤، نیز دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:٥٧١_٥٧٧

❷ صحیح بخاری:١١٤٥،صحیح مسلم:٧٥٨۔

❸ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:٣٩٢

اور جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (ق:١٦) اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اور جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ﴾ (النجم:٨۔ ٩) ”پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور آگے بڑھا پھر دو کمانوں کا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔“

[٥٠]...... ہمارے دین میں سے ہے کہ ہم جمعہ، عید اور ساری نمازیں ہر نیک اور غیر نیک کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔

[٥١]...... ہمارے دین میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ موزوں پر مسح؛ بخلاف انکار کرنے والے کے، حضر و سفر میں سنت ہے۔ ❶

[٥٢]...... ہم ائمہ مسلمین کی اصلاح کی دعا، ان کی امامت کے اقرار اور جب وہ استقامت ترک کر بیٹھیں تو ان پر خروج کرنے والوں کو گمراہ قرار دینے کے قائل ہیں۔

[٥٣]...... تلوار کے ذریعے خروج کا انکار اور فتنہ میں ترک قتال ہمارا دین ہے۔

[٥٤]...... ہم خروج دجال کا اقرار کرتے ہیں جیسا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مروی ہیں۔ ❷

[٥٥]...... ہم عذاب قبر، منکر نکیر اور قبر میں دفن شدہ سے ان کے سوال کرنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ ❸

[٥٦]...... حدیث معراج ❹ اور نیند میں آنے والے اکثر خوابوں کی تصدیق کرتے

❶ یہ مسئلہ ہے تو فقہ کا لیکن خوارج اور شیعہ کے انکار کی وجہ سے اس کو اعتقادی کتب میں ذکر کیا جاتا ہے۔
❷ بخاری: ١٨٨١، نیز دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص: ٥٩٤۔٥٩٥
❸ مسند احمد کی لمبی حدیث دیکھیں: ٤/ ٢٩٥، ٢٩٦، ٢٩٧، ابو داود: ٤٧٢٣، نسائی: ١/ ٣٨۔٤٠
❹ بخاری: ٣٢٠٧، مسلم: ١٦٢، نیز دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص: ٢١٣۔٢٢٠

ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ان کی تعبیر ہوتی ہے۔ ❶

[۵۷]...... ہم مسلمانوں کی میت کی جانب سے صدقہ اور اس کے لیے دعا کے قائل ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ان کو نفع دیتا ہے۔

[۵۸]...... ہم تصدیق کرتے ہیں کہ دنیا میں جادو اور جادوگر موجود ہیں۔

[۵۹]...... اور اہل قبلہ میں سے کوئی نیک ہو یا بد ہم مسلمانوں کی میت پر نماز جنازہ ادا کرنے کا دین رکھتے ہیں۔

[۶۰]...... ہم اقرار کرتے ہیں کہ جنت اور جہنم پیدا کی جا چکی ہیں۔

[۶۱]...... اور جو فوت ہوا یا قتل ہو وہ اپنی مدت کے مطابق ہی فوت یا قتل ہوا۔

[۶۲]...... رزق اللہ کی جانب ہی سے ہے وہ اپنے بندوں کو حلال و حرام کی صورت رزق دیتا ہے۔

[۶۳]...... معتزلہ اور جہمیہ کے برخلاف ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ شیطان انسان میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ شک کا باعث بنتا ہے اور انسان کو خبطی کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ (البقرة:٢٧٥) اور فرمایا:

﴿ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾ (الناس:٤-٦)

''اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو (وسوسہ ڈال کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے
جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے خواہ وہ جنوں سے ہو یا انسانوں سے۔''

[۶۴]...... ہم کہتے ہیں: یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ صالحین کو خاص کر کے ان پر نشانیوں

❶ بعض جہمیہ اور بعض معتزلہ خوابوں کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور اسے صرف باطل خیال تصور کرتے ہیں حالانکہ خوابوں کی سچائی تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ بعض خواب شیطان اور بعض حدیث نفس سے بھی ہوتے ہیں۔

کا ظہور کرے۔

[٦٥]...... مشرکین کے بچوں کے متعلق ہمارا کہنا ہے کہ اللہ تعالی آخرت میں ان کے لیے آگ بھڑکائے گا، پھر ان سے کہے گا اس میں داخل ہو جاؤ، جیسا کے اس کے متعلق رسول اللہ سے روایات مروی ہیں۔ ❶

[٦٦]...... ہمارا دین ہے کہ اللہ عزوجل اس کو جانتا ہے جو بندے کرنے والے ہیں ،جن احوال کو بندے لوٹ جانے والے ہیں اللہ اس کو بھی جانتا ہے۔ جو ہوتا ہے، ہوگا اور جو نہیں ہوتا اس کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا؟ ❷

[٦٧]...... ائمہ کی اطاعت، مسلمانوں کی صحبت اور نصیحت ہمارا دین ہے۔

[٦٨]...... ہم بدعت کی طرف دعوت دینے والے اور اہل اہواء سے جدائی کے قائل ہیں۔

اپنے عقیدے سے متعلق جو کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں اور جو باقی ماندہ ہے الگ الگ ابواب کر کے اور ایک ایک کر کے ہم ان کی ادلہ عن قریب ذکر کریں گے۔

---

❶ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان تمام اقوال کے مابین تطبیق دیتے ہوئے امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور یہ سب سے معقول قول ہے جس سے تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور اس باب کی تمام احادیث متفق ہو جاتی ہیں۔ پس اس طرح ان میں سے بعض جنت میں جائیں گے جیسا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور بعض جہنم میں جائیں گے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرتے بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اللہ کسی کو اپنے علم کی بنا پر سزا نہیں دیتا جب تک جو وہ جانتا ہے وہ واقع نہ ہو جائے۔ (حاشیه ابن اقیم علی سنن ابی داود :٨٧/٧) حافظ ابن حجر نے سات اقوال نقل کیے ہیں آخر میں لکھتے ہیں: امام بیہقی نے اوپر والا قول اپنی کتاب الاعتقاد میں نقل کیا ہے اور پھر کہتے ہیں: انه المذهب الصحيح۔ یہ مذہب صحیح ہے (فتح الباری: ٢/ ٢٤٦_٢٥١)]

❷ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ :١٠٨_ ١٥٠، ٢٤٧_ ٢٤٨، ٢٨٧_٢٨٨

باب 3

آخرت میں آنکھوں سے دیدار الٰہی کے اثبات کا تذکرہ

ا:...... اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴾ کچھ چہرے چمک دار ہوں گے۔ ﴿ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القیامه:۲۲،۲۳) اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔

نظر درج ذیل وجوہ سے خارج نہیں ہو سکتی:

الف:...... اللہ عزوجل نے نظر اعتبار کو مراد لیا ہے جیسے اس آیت میں ہو:

﴿ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴾ (الغاشیه:۱۷)

''کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے؟''

ب:...... وہ نظر اللہ تعالیٰ نے مراد لی ہو جو انتظار کے معنی میں آتی ہے جیسے اس فرمان میں ہے:

﴿ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ﴾ (یس : ۴۹)

''نہیں وہ انتظار کرتے مگر ایک چیخ کا۔''

ج:...... نظر سے مراد نظر کرم ہو جس طرح اس کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (آل عمران:۷۷)

''اور قیامت کے روز وہ ان کی طرف نہیں دیکھے گا۔''

د:...... یا نظر سے مراد دیکھنا لیا ہو یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تفکر و اعتبار کی نظر مراد لی ہو کیونکہ آخرت عبرت و اعتبار پکڑنے کی جاہ نہیں۔ یہ بھی جائز نہیں کہ نظر سے مراد نظر انتظار ہو۔ کیونکہ نظر جب چہرے کے ساتھ بیان ہو تو اس کا معنی ان دو آنکھوں سے دیکھنا ہوتا ہے جو چہرے میں ہوتی ہیں جس طرح اہل زبان نظرِ قلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں اپنے دل سے دیکھو تو وہاں آنکھوں کی نظر مراد نہیں ہوتی اسی طرح جب

چہرے کے ساتھ بیان کی جائے تو اس کا معنی نظرِ انتظار نہیں ہوتا جو کہ دل سے ہوتا ہے۔ یوں بھی جنت میں انتظار نہیں ہوگا، کیونکہ انتظار سے عیش مکدر ہوتی ہے، جب کہ اہل جنت کے لیے ایسی عیش سلیم اور نعمت مقیم ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے سنی ہے۔[1] اس لیے یہ جائز نہیں کہ وہ جنت میں انتظار کرنے والے ہوں، ان کے دلوں میں جب کسی چیز کا خیال گزرے تو ساتھ ہی وہ چیز حاضر ہوگی۔

یہ بھی جائز نہیں کہ اللہ نے نظر کرم مراد لی ہو، کیونکہ یہ جائز نہیں کہ مخلوق اپنے خالق پر کرم کرے۔ پس پہلی تینوں قسم کی نظر کا معنی یہاں غلط ہے۔ چوتھا ہی درست ہے۔ اور یہی اس آیت کریمہ کا معنی ہے ﴿ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القیامة:٢٣) ''کہ وہ آنکھ اپنے رب کو دیکھتی ہوگی۔''

معتزلہ کا یہ کہنا ہے کہ اس آیت میں اللہ نے نظر سے انتظار مراد لیا اس بات کا رد اس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ نے ﴿ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ کہا ہے اور وہ نظر جس کا معنی انتظار ہو وہ ''الی'' کے صلہ سے نہیں آتی، کیونکہ عرب کے ہاں نظر انتظار ''الی'' سے ذکر کرنے کا جواز نہیں۔ دیکھتے نہیں کہ جب اللہ نے فرمایا: ﴿ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً ﴾ (یٰس:٤٩) تو ''الی'' ذکر نہیں کیا، کیونکہ یہاں نظر کا معنی انتظار ہے۔ اللہ تعالی نے ملکہ بلقیس کی طرف سے ذکر کیا کہ اس نے کہا: ﴿ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ (النمل:٣٥) پس میں انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا لے کر لوٹتے ہیں؟ چونکہ ملکہ بلقیس نے نظر سے مراد انتظار لیا تھا اس لیے ''الی'' ذکر نہ کیا، امراء القیس شعر میں کہتا ہے:

فانکما ان تنظرانی ساعة

من الدھر تنفعنی لدی ام جندب

اگر تم دونوں زمانے کی گھڑی انتظار کرو تو یہ مجھے ام جندب کے ہاں نفع دے گا۔[2] اس

[1] بخاری:٣٢٠٤، مسلم:١٨٩

[2] دیوان امرء القیس ص:٦٤۔

نے بھی "الی" ذکر نہیں کیا کیوں کہ اس نے بھی نظر کو انتظار کے معنی میں ذکر کیا ہے جب اللہ نے ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ کہا تو ہم نے جان لیا کہ انتظار نہیں دیدار مراد ہے۔

۲:...... چہرے کے ساتھ نظر کو ذکر کر کے اللہ تعالی نے چہرے کی آنکھوں سے دیکھنا مراد لیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾

(البقرة: ١٤٤)

"ہم تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں لہٰذا آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں جو آپ کو پسند ہے۔"

چہرے کو ذکر کیا اور مراد آسمان کی طرف آنکھوں کے بار بار پلٹنے کو لیا۔ آپ ﷺ فرشتے کے نزول کا انتظار فرماتے تھے کہ وہ بیت المقدس سے آپ کو بیت اللہ کی طرف پھیر دے گا۔

۳:...... اگر کوئی یہ کہے کہ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ سے مراد اپنے رب کے ثواب کی طرف نظر ہے؟ تو کہا جائے گا: اللہ کا ثواب غیر اللہ ہے۔ جب کہ اللہ تعالی نے کہا ہے: اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ یہ نہیں کہا کہ اس کے غیر کو دیکھتے ہوں گے اور قرآن اپنے ظاہر پر ہی ہے، ہمارے لیے اس کی گنجائش نہیں کہ ہم اس کو ظاہر سے پھیریں۔ ظاہر سے پھیرنے کی کوئی دلیل ہو تو درست وگرنہ قرآن ظاہر پر ہی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب اللہ تعالی نے کہا کہ میرے لیے نماز پڑھو اور میری عبادت کرو تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کہے: اللہ نے اس کلام سے ظاہری معنی کا غیر مراد لیا ہے اسی طرح جب ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ کہا تو ہمارے لیے جائز نہ ہوا کہ ہم بغیر دلیل کے قرآن کو اس کے ظاہر سے پھیر دیں۔

۵:...... مزید برآں معتزلہ سے کہا جائے گا: اگر تمہارے لیے یہ گمان کرنا جائز ہے کہ اللہ نے ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ سے مراد غیر اللہ کی طرف دیکھنا لیا ہے تو تمہارے علاوہ کسی کے

لیے یہ جائز کیوں کر نہ ہوگا کہ وہ کہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ سے اللہ تعالی نے یہ مراد لیا ہے کہ آنکھوں کا غیر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ یہ مراد نہیں لیا کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ ان دونوں باتوں کے فرق پر معتزلہ قدرت نہیں پائیں گے۔

۶:...... ایک اور دلیل جو اللہ کے دیدار پر دلالت کرتی ہے وہ موسی علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿رَبِّ أَرِنِيٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ﴾ (الاعراف: ۱۴۳) اور یہ تو جائز نہیں نا کہ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو جلباب نبوت پہنایا ہو اور ان کو اس چیز سے معصوم رکھا ہو جس سے وہ نبیوں کو معصوم رکھتا ہے اور وہ اس چیز کا سوال کریں جو ان کے رب کے لیے مستحیل ہو۔ جب یہ موسی علیہ السلام پر جائز نہ ہوا تو اس سے ہمیں پتہ چلا کہ آپ نے اپنے رب سے کسی ناممکن کا سوال نہیں کیا۔ دیدار جائز ہے۔ اگر دیدار محال ہوتا جیسا معتزلہ کا گمان ہے اور موسی علیہ السلام کو اس کی محالیت کا علم نہ ہوا اور ان معتزلہ کو ہو گیا تو اس صورت میں تو یہ اپنے قول کے مطابق اللہ کے نبی موسی علیہ السلام سے زیادہ عالم ہو۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی مسلمان بھی دعوی نہیں کرتا۔

۷:...... اگر کوئی کہے کہ کیا تم آج ظہار کا حکم نہیں جانتے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہار کا حکم اس کے نازل ہونے سے پہلے نہیں جانتے تھے؟

تو کہا جائے گا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تب ظہار کا حکم نہیں جانتے تھے جب تک اللہ نے ظہار کا حکم لازم نہیں کیا تھا۔ جب اس نے لوگوں پر ظہار کا حکم لازم کیا تو لوگوں سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بندگانِ رب کو معلوم کروایا۔ کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ آپ کو وہ حکم لازم ہو اور آپ کو علم نہ ہو۔ جب کہ تمھارا گمان یہ ہے کہ موسی علیہ السلام کو لازم تھا کہ ان کو دیدار کا حکم معلوم ہو کہ وہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اور جب موسیٰ علیہ اسلام نے یہ علم لازم ہونے کے وقت نہ جانا اور تم نے جان لیا (جیسا کہ تمھارا گمان ہے) تو اس سے تمھیں یہ لازم آیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو علم لازم تھا اس کا انھیں اتنا علم نہ تھا جتنا کہ تمھیں اس کا علم ہے جس کا علم تم پر لازم ہے۔

۸:...... آنکھوں سے دیدار الٰہی کے جواز پر دلالت کرنے والی ایک آیت یہ بھی ہے:

﴿فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ﴾ (الاعراف:١٤٣)

''اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو، تو بھی مجھے دیکھ سکے گا۔''

جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کے استقرار پر قادر تھا تو اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر تھا جس کو اللہ تعالیٰ اگر کرتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کو دیکھ لیتے۔ پس اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنا دیدار اپنے بندوں کو کرائے اور اس کی رؤیت جائز ہے۔

۹:...... اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ فرمان الٰہی ﴿فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ﴾ اس کے دیدار کے دور از کار ہونے کو واضح کرتی ہے؟ تو اس سے کہا جائے: اگر اللہ تعالیٰ نے رویت کا دور از کار ہونا بتلانے کا ارادہ کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنی بات کو اس سے ملا کر ذکر کرتے جس کا وقوع مستحیل ہوتا نہ کہ جائز ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے استقرار جبل سے رویت کو مشروط کیا اور یہ اللہ کی قدرت میں ہے سو اس نے اللہ کے دیدار کے جواز پر دلالت کی۔

دیکھتے نہیں کہ خنساء نے جب یہ بتانا چاہا کہ اس شخص سے صلح دور از کار ہے جو اس کے بھائی کا دشمن ہے تو اس نے بات کو محال سے مشروط کیا۔ کہتی ہیں:

ولا اصالح قوما كنت حربهم
حتى يعود بياضا حلكة ابقار جونه القار

''اور میں اس قوم سے جس کا تو دشمن تھا تب تک صلح نہ کروں گی جب تک تارکول کی سیاہی سفید نہ ہو جائے۔'' ❶

اللہ عزوجل نے عرب سے ان کی زبان میں، ان کے کلام کے مفہوم اور ان کے خطاب میں معقول کلام سے خطاب کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رؤیت کو جب مقدور اور جائز سے مشروط کیا تو ہم نے جان لیا کہ آنکھوں سے دیدار الٰہی جائز ہے ناممکن نہیں۔

۱۰:...... اس مسئلہ سے متعلق ایک یہ آیت بھی دلیل ہے۔

❶ دیوان ص:٥٥۔٥٦

﴿ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس:۲٦)

''جن لوگوں نے اچھے کام کیے ویسا ہی اچھا بدلہ ہوگا اور اس سے زیادہ بھی''

اصحاب تفسیر کہتے ہیں: (اس زیادہ) سے مراد اللہ کو دیکھنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اصحاب جنت پر اپنے دیدار سے بڑھ کر انعام کوئی نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴾ (ق:۳۵)

''اور ہمارے ہاں اس سے زیادہ بھی ہے۔''

کہا گیا ہے کہ (یہ مزید بھی) اللہ عزوجل کی طرف دیکھنا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ﴾ (الاحزاب:٤٤)

''جس دن وہ اللہ سے ملیں گے ان کا استقبال سلام سے ہوگا۔''

اور جب مومن اس سے ملاقات کریں گے تو دیکھیں گے بھی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴾ (المطففین:١٥)

''یقیناً ایسے لوگ اس دن اپنے رب کے (دیدار) سے محروم رکھے جائیں گے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے کفار کو اپنے دیدار سے محجوب کیا ہے نہ کہ مومنوں کو۔

۱۱:...... اگر کوئی سوال اٹھائے کہ: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ﴾ (الانعام:١٠٣)

''نظریں اسے پا نہیں سکتیں۔'' کا کیا معنیٰ ہے؟

تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ ممکن ہے اس کا معنیٰ ہو دنیا میں آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں۔ آخرت میں کر پائیں گی، کیوں کہ رؤیت الٰہی سب سے افضل لذت ہے اور افضل اللذات افضل الدارین میں ہی ہوتی ہے۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اللہ نے ابصار سے جھٹلانے والے کفار کی آنکھیں مراد لی ہوں۔ اس بات کا امکان اس لیے ہے کہ قرآن کا بعض بعض کی تصدیق کرتا ہے۔ جب ایک آیت میں اس نے فرمایا ہے کہ روز قیامت چہرے اس کو دیکھیں گے۔ اور دوسری جگہ ابصار کے ادراک کی نفی کی ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس نے ابصار سے مراد کفار کی آنکھیں لی

ہیں کہ وہ اس کا ادراک نہیں کریں گی۔

۱۲:...... کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آنکھوں سے اپنے دیدار کا سوال بہت بڑا سمجھا ہے۔ کہ فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (النساء:۱۵۳)

اس سوال کے جواب میں کہا جائے گا: بنی اسرائیل نے دیدار کا سوال موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار اور ان پر ایمان نہ لانے کو کہا تھا کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ اللہ کو دیکھ نہ لیں۔ انھوں نے کہا تھا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (البقرة : ۵۵) ان کا سوال چوں کہ موسیٰ علیہ السلام پر ترک ایمان کی غرض سے تھا حتی کہ اللہ ان کو اپنا دیدار کروائے اس وجہ سے اللہ نے اس کو عظم جانا، نہ کہ اس لیے کہ رؤیت اس کے حق میں محل ہے، اس طرح اللہ تعالی نے اھل کتاب کا سوال کہ اللہ ان پر آسمان سے کتاب نازل کرے بڑا جانا۔ حالاں کہ انزال کتاب مستحیل نہیں۔ لیکن چوں کہ انھوں نے اس وقت تک ایمان لانے سے انکار کردیا تھا جس وقت تک کتاب نازل نہ ہو (اس لیے اللہ نے اس سوال کو عظیم جانا)

آنکھوں سے اللہ عزوجل کی رؤیت پر ایک وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو ایک بڑی جماعت نے مختلف جہات سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کو دیکھنے میں تمھاری آنکھیں چندھیائی نہیں۔ ❶

رؤیت جب مطلق بیان کی اور رؤیت عین سے اس کی مثال دی جائے تو اس کا معنیٰ صرف آنکھوں کی رؤیت ہی ہوتا ہے۔

۱۴:...... رؤیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف کئی طرق سے مروی ہے۔ رجم کی حدیث سے

❶ متفق عليه: بخاري : ۸۰٦۔ مسلم : ۱۸۲.

زیادہ اس کے راوی ہیں۔ ((لا وصیة[1] لوارث، مسح علی الخفین اور لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها))[2] جیسی احادیث سے بڑھ کر اس حدیث کے رواۃ ہیں۔

جب رجم اور مذکورہ احادیث معتزلہ کے ہاں سنت ہیں تو دیدار تو زیادہ اولی ہے کہ سنت ہو، کیوں کہ اس کے رواۃ اور ناقلین کی کثرت ہے۔ خلف اس کو سلف سے نقل کرتے آئے ہیں اور "انی اراہ"[3] حدیث میں نفی رؤیت کی دلیل نہیں۔ کیوں کہ (ابوذر رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ سے دنیا میں اللہ کی رؤیت کے متعلق سوال کیا تھا اور کہا تھا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟'' آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا تھا: "نور انی اراہ" کیوں کہ آنکھیں دنیا میں مخلوق روشنیوں کا ادراک نہیں کرسکتی اگر انسان سورج کی ٹکی کو نظر جما کر مسلسل دیکھے تو اس کی آنکھ کی کافی ساری بصارت ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جب یہ فیصلہ کردیا ہے کہ آنکھ سورج کی ٹکی کو نہیں دیکھ سکتا تو یہ زیادہ لائق ہے کہ دنیا میں آنکھ اللہ کی طرف نہ دیکھ سکے الا کہ اللہ تعالیٰ آنکھ کو قوت دے دے۔ دنیا میں اللہ سبحانہ کی رؤیت مختلف فیھا مسئلہ ہے جب کہ صحابہ میں کسی سے یہ مروی نہیں کہ آخرت میں آنکھیں اللہ کا دیدار نہیں کریں گی بلکہ ان سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آخرت میں آنکھیں دیکھیں گی۔

۱۵:...... دنیا میں رؤیت کے متعلق اگرچہ ان کا اختلاف ہے مگر آخرت میں دیدار کے وہ سب قائل تھے۔[4] اس لیے آخرت میں دیدار بالا جماع ثابت ہے۔ بہرحال ہمارا مقصود تو آخرت میں دیدار کا اثبات تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ (انی اراہ) والی رؤیت معتزلہ کے حق میں نہیں، ان کے خلاف ہے کیوں کہ وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ درحقیقت نور ہے۔ جب وہ کسی ایسی حدیث سے دلیل پکڑیں گے جس سے خود منحرف ہوں

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے الارواء: ۱۶۵۵ [2] بخاری: ۵۱۰۹، مسلم: ۱۴۰۸

[3] صحیح مسلم: ۱۷۸۔

[4] حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس پر نفیس کلام کی ہے۔ دیکھیے الوابل الصیب

تو منہ کی ہی کھائیں گے۔ ❶

۱۶:...... آنکھوں سے دیدار الٰہی پر ایک یہ دلیل بھی ہے کہ کوئی چیز موجود نہیں مگر یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہمیں دکھا دے۔ جائز تو یہ نہیں کہ معدوم چیز دکھائی جائے۔ تو جب اللہ عزوجل ثابت وموجود ہے تو یہ غیر مستحیل ہے کہ اللہ ہمیں اپنے آپ کا دیدار کروائے۔

جس نے اللہ کی رؤیت کی نفی کی اس نے درحقیقت تعطیل کا قصد کیا، مگر جب تعطیل کا صراحتہ ان کے لیے اظہار ممکن نہ ہوا تو انہوں نے ان چیزوں کا اظہار کیا جس کا مآل تعطیل اور جحود ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تعطیل سے بہت بلند ہے۔

۱۷:...... بالابصار رؤیت باری پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ عزوجل اشیاء کو دیکھتا ہے۔ وہ اشیاء کو نہیں دیکھتا جو اپنے نفس کو نہ دیکھتا ہو۔ اور جب وہ اپنے نفس کو دیکھنے والا ہے تو جائز ہے کہ وہ ہمیں اپنا دیدار کروائے۔ یہ اس لیے کہ جو اپنا نفس نہیں جانتا وہ کچھ نہیں جانتا، سو اللہ عزوجل جب اشیاء کا عالم ہے تو اپنے نفس کا بھی عالم ہے۔ اس طرح جو اپنا نفس نہیں دیکھتا وہ کچھ نہیں دیکھتا سو جب اللہ اشیاء کو دیکھنے والا ہے تو اپنے نفس کو بھی دیکھنے والا ہے اور جب خود کو دیکھنے والا ہے تو جائز ہوا کہ ہمیں بھی اپنے نفس کا دیدار کروا دے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے نفس کا عالم ہے تو جائز ہے کہ ہمیں بھی اپنی ذات معلوم کروائے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ (طه:٤٦) "میں تمہارے ساتھ ہوں سب سن اور دیکھ رہا ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے ان دونوں کا کلام سنا، اور یہ کہ وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے۔ جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ عزوجل آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اس کو یہ بات لازم آتی ہے کہ اس کے ہاں اللہ دیکھنے والا، جاننے والا اور قادر نہ ہو۔ کیوں کہ عالم، قادر اور دیکھنے والے کی رؤیت جائز ہے۔

۱۸:...... اگر کوئی کہے کہ "ترون ربکم" سے مراد ہے کہ تم بالاضطرار اپنے رب کو

❶ امام ذہبی نے کہا: اللہ تعالیٰ کو آخرت میں آنکھوں سے دیکھنا ایک یقینی امر ہے جو نصوص متواترہ سے ثابت ہے، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے ساری احادیث کو جمع کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۶۷)

جان لو گے تو اس سے کہا جائے گا: نبی ﷺ اپنے صحابہ کو یہ بات علی وجہ البشارۃ کہی ہے۔

آپ نے فرمایا: ''تمہارا معاملہ کیسا ہو گا جب تم اللہ عزوجل کو دیکھو گے؟

یہ تو جائز نہیں کہ آپ ان کو وہ بشارت دیں جس کی بشارت کفار کو بھی ہو۔!

مزید برآں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ''ترون ربکم'' عام ہے جو کہ دل اور آنکھ دونوں کی رؤیت کو شامل ہے۔صرف مخصوص رؤیت پر دلیل نہیں۔

۱۹:...... مسئلہ رؤیت سے متعلق ایک دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جنت ایسی عیش سلیم اور نعمت مقیم ہے۔جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی دل پر اس کا خیال گزرا ہے۔اور جنت میں حاسۂ عین سے دیدار الٰہی سے افضل کوئی نعمت نہیں۔

اکثر وہ لوگ جنھوں نے اللہ عزوجل کی عبادت کی ہے انھوں نے اس کے چہرہ کے دیدار کے لیے ہی کی ہے۔اللہ اپنے فضل سے ہمیں بھی اپنے چہرے کا دیدار کرائے۔(آمین)

جنت میں دیدار الٰہی کے بعد دیدار مصطفی سے افضل کوئی چیز نہیں اور دیدار مصطفی جنت کی لذات میں سب سے افضل ہے۔تاہم دیدار الٰہی، دیدار مصطفی سے افضل ہے اور جب معاملہ اس طرح ہے تو اللہ اپنے مرسل انبیاء، مقرب ملائکہ اور صدیق و مومنین کی جماعت کو اپنے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم نہیں کرے گا۔یوں بھی رؤیت مرئی میں موثر نہیں ہوتی۔رؤیت تو دیکھنے والے کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔اور جب رؤیت مرئی میں غیر موثر ہے تو اس کے اثبات سے نہ تو تشبیہ واجب آتی ہے اور نہ حقیقت سے انقلاب اور نہ ہی یہ اللہ پر مستحیل کہ وہ اپنے مومن بندوں کو اپنی جنت میں اپنا دیدار کروائے۔

۲۰:...... آنکھوں سے رؤیت الٰہی کی نفی پر معتزلہ نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾[الانعام:۱۰۳] معتزلہ کہتے ہیں: ''وھو یدرك الابصار'' ''لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ'' پہ معطوف ہے۔اور ''وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ'' میں عموم ہے کہ اللہ دنیا اور آخرت دونوں میں ابصار کا ادراک کرتا ہے۔یہ عموم اس پر دال

ہے کہ "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" بھی عام ہے۔ کیوں دونوں کلمے آپس میں معطوف معطوف علیہ ہیں پس دنیا اور آخرت دونوں میں آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ ان کی اس دلیل کے جواب میں کہا جائے گا: دونوں جملوں کا عموم ٹھیک ہے اور یہ واجب ہی سہی۔ تاہم ابصار بھی دو ہیں: ایک ابصار العین اور دوسری ابصار القلوب۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [الحج: ٤٦] اور فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾ [ص: ٤٥]

ان آیات میں ابصار سے مراد ابصار القلوب ہیں۔

۲۱:...... اہل زبان بولتے ہیں: فلان بصير بصنا عته۔ اس سے وہ بصر العلم مراد لیتے ہیں جس طرح اہل زبان ابصر ته بعين کہتے ہیں اسی طرح ابصر ته بقلبي بھی کہتے ہیں۔ پس بصر (دو ہیں) بصر العیو ن اور بصر القلوب۔

معتزلہ ہم پر یہ واجب کرتے ہیں کہ "لاتدركه الابصار" عموم میں اسی طرح ہے جس طرح "وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ" ہے اس سے ان پر یہ واجب آتا ہے کہ اللہ عزوجل کا نہ تو ابصار العیون سے ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ابصار القلوب سے۔ کیوں کہ "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" عموم میں "وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ" کی مثل ہے (لیکن ان کا عقیدہ تمام مسلمانوں کی طرح اس کے برخلاف ہے وہ ابصار القلوب سے ادراک الٰہی کا اقرار کرتے ہیں) سو واجب ہوا کہ "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" "وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ" سے خاص ہے اور ان کی دلیل کو توڑتا ہے۔

۲۲:...... مزید برآں ان سے کہا جائے گا: تمہارا گمان ہے کہ اگر "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" کسی مخصوص وقت سے خاص ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ درج ذیل آیات بھی مخصوص وقت سے خاص ہوں:

﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾، ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشورى: ١١] ﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ [البقرہ: ٢٥٥] ﴿لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا﴾ [یونس: ٤٤] (اس

لیے ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ کسی خصوص وقت سے خاص نہیں ہو سکتی)اب تم (معتزلہ) لوگ اگر ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ (کی ابصار) کو خاص کرو تو تمھاری دلیل تمھارے خلاف آن پڑتی ہے۔ تمھیں کہا جائے گا۔ ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ (کی ابصار) کو خاص ہونے سے مذکورہ بالا آیات کا خصوص لازم نہ آیا۔ تو اس کا انکار چہ معنٰی دارد کہ ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ دنیا سے خاص ہو۔

۲۴:...... اور اس کے خاص ہونے سے مذکورہ بالا آیات کا خصوص لازم نہ آئے جس طرح تمھارے ”ابصار“ کو ابصار العیون سے خاص کرنے سے یہ لازم نہ آیا۔

۲۵:...... اگر وہ کہیں: ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ سے یہ واجب آتا ہے کہ دنیا و آخرت میں آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ مگر اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی ہے کہ ہم بغیر ادراک کے اپنے دلوں سے اس کو دیکھ لیں۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا: اسی طرح ہمارا آنکھوں سے اس کا ادراک نہ کرنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ ہم اسے دیکھیں بھی نہ۔ پس آنکھوں سے ہمارا اسے دیکھنا ادراک نہیں۔ جس طرح دلوں کے ذریعے ہمارا اسے دیکھنا ادراک نہیں۔

۲۶:...... اگر معتزلہ کہیں کہ آنکھ کی رؤیت ہی آنکھ کا ادراک ہے۔ تو کہا جائے گا: تم میں اور اس شخص میں کیا فرق ہے جو کہتا ہے کہ دل کی رویت ہی دل کا ادراک ہے۔ (بالاتفاق) جب دل کا علم اور دل کی رؤیت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا احاطہ اور ادراک نہیں تو یہ بات تم نے قابل انکار کیوں جانی کہ رؤیت بالابصار اللہ عزوجل کا احاطہ اور ادراک نہ ہو۔

۲۷:...... عموم سے ان کے استدلال کا ایک جواب یوں بھی ہے کہ ان سے کہا جائے: ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ ”وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ“ کے عموم میں ہے کیوں کہ یہ کلام معطوفہ ہے۔ اب ہمیں بتاؤ کہ کیا ایسا نہیں کہ آنکھیں نہ تو لمس کے اعتبار سے نہ ہی ذوق کے اعتبار سے اور نہ ہی دیکھنے کے اعتبار سے اس کا ادراک کر سکتی ہیں؟ وہ جواب دیں گے: بالکل ایسا ہی ہے۔ ان سے کہا جائے گا: تو پھر ہمیں بتاؤ ”وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ“ (میں

بھی عموم ہے) کہ وہ ابصار کا لمس اور ذوق کے اعتبار سے ادراک کرتا ہے؟ وہ کہیں گے : نہیں۔ اس پر ان سے کہا جائے گا: تمھارا قول خود ہی تناقض کا شکار ہو گیا کہ تم کہتے تھے ”وَ هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ“ عموم میں ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ کی مثل ہے۔

۲۸:...... اگر ان میں سے کوئی کہے: بصر درحقیقت آنکھوں کی ہے دل کی نہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: تم نے یہ کیوں کر گمان کیا؟ جب کہ اہل زبان نے دل و آنکھ دونوں کی بصر کو بصر ہی کہا ہے۔ اگر تمھارے لیے مذکورہ گمان کا دعویٰ جائز ہے تو تمھارے غیر کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ دعوی کرے کہ بصر درحقیقت دل کی ہے آنکھ کی نہیں۔ اور چوں کہ یہ درست نہیں اس لیے واجب یہی ٹھہرا کہ بصر دل کی بھی ہوتی ہے اور آنکھ کی بھی۔

۲۹:...... ایک جواب یہ بھی ہے کہ ان سے کہا جائے: ہمیں بتاؤ ”وَ هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ“ کا کیا معنیٰ ہے؟ اگر وہ کہیں اس کا معنیٰ ہے وہ ابصار کو جانتا ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا: چونکہ ایک کلام دوسرے پر معطوف ہے اور اس کا معنیٰ ہے کہ وہ ابصار کو جانتا ہے تو ”لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ“ کا معنیٰ بھی یہی ہوا کہ ابصار اس کو جانتی نہیں۔ سو یہ علم کی نفی ہے رؤیت بصر کی نہیں۔

۳۰:...... اگر وہ کہیں کہ ”يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ“ کا معنی ہے کہ وہ ان کو ایسا دیکھتا ہے جو علم کے معنی میں نہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا: آنکھوں میں موجود بنائی کو دیکھنا کیا جائز ہے؟ اگر وہ کہیں: ہاں تو اپنے قول کو خود ہی توڑ بیٹھیں گے کہ ہم آنکھوں سے اسی جنس کی چیزیں دیکھ سکتے ہیں جو ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ جائز ہے کہ اللہ وہ چیز دیکھے جو مرئیات کی جنس سے نہیں یعنی آنکھوں کی بینائی تو یہ کیوں جائز نہیں کہ وہ اپنا آپ دیکھے اگرچہ وہ مرئیات کی جنس سے نہ ہو! اور یہ کیوں جائز نہیں کہ وہ ہمیں اپنا دیدار کروائے اگرچہ وہ مرئیات کی جنس سے نہ ہو!

باب 4

اللہ کے کلام قرآن مجید کے غیر مخلوق ہونے کا بیان ❶

ا:...... اگر کوئی سائل کلام اللہ قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی دلیل مانگے تو اس سے کہا جائے گا: اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ﴾ [الروم: ٢٥]

''اوراس کی نشانیوں سے ایک یہ کہ ارض وسماء اسی کے حکم سے (بلاستون) قائم ہیں۔''

اور اللہ کا کلام اس کا قول وکلام ہے۔ پس جب اس نے ان کو قیام کا حکم دیا تو زمین و آسمان قائم ہو گئے، یوں ان کا قیام اس کے امر کے ساتھ ہے۔

۲:...... اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ ﴾ [الاعراف: ٥٤] پس جو کچھ بھی اس نے پیدا کیا وہ خلق میں داخل ہے۔ کیوں کہ جب کلام کا لفظ عام ہو تو وہ حقیقتا عام ہی رہتا ہے۔ ہمارے لیے بغیر حجت و برہان کے کلام کو اس کی حقیقت سے پھیرنا جائز نہیں۔ پس جب فرمان ہوا ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ ﴾ و اس میں تمام مخلوق شامل ہوئی۔ اور جب ﴿ وَالْاَمْرُ ﴾ اتو اس امر کا تذکرہ کیا جو تمام مخلوق سے ہٹ کر ہے۔ پس اس میں ہماری بات کی دلیل ہوئی کہ امر اللہ غیر مخلوق ہے۔

۳:...... اگر کوئی کہے کہ کیا اللہ نے فرمایا نہیں: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ ﴾ ''جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اسکے رسولوں کا، جبرائیل کا اور میکائیل کا دشمن ہو'' اس سے کہا جائے گا: ہم قرآن کو اجماع ودلیل سے خاص کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کا اور فرشتوں کا ذکر کیا تو اس میں جبرائیل اور میکائیل شامل نہ تھے اگرچہ یہ بھی فرشتے ہیں۔ اسی لیے ان کو بعد میں الگ سے ذکر کیا، گویا کہ فرمایا: جو

❶ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص:١٣٥_١٦٢

جبرائیل و میکائیل کے سوا فرشتوں کا دشمن ہے۔ پھر اس کے بعد الگ سے ان دونوں کا تذ کرہ کیا کہ جو ان کا بھی دشمن ہے۔ لیکن یہاں جب ﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾ کہا خلق کو خاص نہ کیا تو اس میں دلیل ہوئی کہ تمام مخلوق مراد ہے۔ خلق کے بعد امر کو بیان کیا۔ اور امر کو خلق سے الگ طور پر واضح کیا۔ اور اللہ کا امر اللہ کا کلام ہے۔ اور اس سے یہ واجب ٹھہرتا ہے کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ﴾ [الروم: ٤] پہلے بھی اللہ کا حکم چلتا تھا اور بعد میں بھی اسی کا چلے گا۔ یعنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی امر اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس سے بھی یہ واجب ٹھہرتا ہے کہ امر غیر مخلوق ہے۔

۴:...... ایک اور دلیل ملاحظہ فرمائیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (النحل: ٤٠)

''ہم تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے بس اتنا ہی کہتے ہیں کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔''

اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کو بھی کن وجوبی طور پر کہا گیا ہوتا، اور اگر اللہ قول کو کن کہنے والا تو اس کا مطلب ہے قول کے لیے بھی ایک قول ''کن'' ہوتا ہے۔ اور اس سے دو میں سے ایک صورت واجب آتی ہے، یا تو معاملہ یہاں ختم ہوگا کہ اللہ کا قول غیر مخلوق ہے یا پھر یہ کہ ہر قول ایک قول کے توسط سے واقع ہوتا ہے۔ وہ قول کسی اور قول سے اسی طرح غیر متناہی (قول لازم) آتے ہیں اور یہ محال ہے اور جب یہ محال ثابت ہوا تو ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل کا ایک قول ہے جو غیر مخلوق ہے۔

۵:...... اگر کوئی یہ کہے کہ ﴿ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ چیز کو بناتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس کہنے والے سے کہا جائے گا: ظاہری معنی یہ ہے کہ اللہ اس چیز سے کن کہتا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ اللہ کا تمام اشیاء کو ''کن'' کہنا ہی اشیاء ہو۔ کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام اشیاء ہی اللہ کا کلام ہیں۔ اور جس نے یہ کہا اس نے بڑا جھوٹ

بولا۔ کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عالم میں جتنے انسان، گھوڑے اور گدھے وغیرہ ہیں یہ سب اللہ کلام ہیں۔ اور اس میں جو حماقت ہے وہ مخفی نہیں۔ پس جب یہ محال ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ کا اشیاء کو ''کن'' کہنا غیر اشیاء ہے۔ اور جب یہ غیر مخلوق ہے (کیوں کہ یہ غیر اشیاء ہے) تو مخلوق ہونے سے خارج ہو گیا۔

۶:...... جو شخص کلام اللہ کو غیر مخلوق ثابت کرتا ہے اس پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ یہ بھی ثابت کرے کہ اللہ نہ تو متکلم ہے اور نہ ہی قائل۔ اور یہ فاسد ہے۔ جیسا کہ یہ فاسد ہے کہ اللہ کا علم مخلوق ہو، اور بادشاہ (اللہ) غیر عالم ہو۔

۷:...... اللہ تعالیٰ ازل ہی سے عالم ہے۔ کیوں کہ یہ جائز نہیں کہ وہ علم کی مخالف صفت سے موصوف ہو۔ اور جب ازل ہی سے عالم ہے تو یہ محال ہوا کہ وہ ازل ہی سے کلام کی مخالف صفت سے موصوف ہو۔ کیوں کہ کلام کے مخالف صفت جس کے ساتھ کلام نہیں ہوتا خاموشی [1] اور آفت ہوتی ہے۔ جیسا کہ علم کے مخالف صفت جس کے ساتھ علم نہ ہو جہالت، شک یا آفت ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ ہمارا رب علم کے مخالف صفت سے موصوف ہو۔

اس طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ کلام کے مخالف صفت سکوت و آفات سے متصف ہو۔ پس اس لیے واجب ہے کہ وہ ازل ہی سے متکلم ہو۔ جیسا کہ یہ واجب ہے کہ وہ ازل ہی سے عالم ہو۔

۸:...... مزید دلیل ملاحظہ فرمائیں: اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ﴾ (الکہف:۱۰۹)

''کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا''

پس اگر سمندر اس کی کتب کی سیاہی ہوتے تو سمندر ختم ہو جاتے اور قلمیں ٹوٹ جاتیں

[1] اگر تو مؤلف کی مراد یہ ہو کہ سکوت دائمی وابدی سے متصف ہونا اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے تو یہ درست ہے۔ اور اگر مؤلف کی مراد مطلق سکوت کی نفی ہے تو یہ محل نظر ہے۔ صفتِ سکوت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے یعنی ⇦ ⇦

اور میرے رب کے کلمات کو فناء نہ آتی۔ جیسا کہ اللہ کے علم کو فناء نہیں، اور جس کا کلام فناء ہو جائے اس کو آفات آلیتی ہیں اور اس پر سکوت جاری ہو جاتا ہے پس جب ہمارے رب پر جائز نہ ہوا تو یہ درست ثابت ہوا کہ وہ ہمیشہ سے متکلم ہے کیونکہ اگر وہ متکلم نہ ہوتا تو واجب تھا کہ اس پر سکوت اور آفات ہوتیں۔ ہمارا رب ? جہمیہ کے قول سے بہت بزرگ و برتر ہے۔

9:...... جہمیہ کا گمان بھی اسی طرح ہے جیسا کہ نصاری کا گمان ہے کیوں کہ نصاری کا گمان ہے کہ اللہ کا کلمہ مریم علیہا السلام کے پیٹ میں سما گیا، جہمیہ نے اس پر اضافہ کیا اور گمان کیا کہ اللہ کا کلام ایک درخت میں اتر آیا، اور درخت نے اس کو اپنے اندر سمولیا اس سے ان کو یہ لازم آتا ہے کہ درخت نے وہ کلام کیا اور مخلوقات میں سے ایک مخلوق نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی اور درخت نے کہا: ﴿إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا فَٱعۡبُدۡنِي﴾ (طٰہٰ: ١١٤) اگر درخت میں اللہ کا کلام پیدا کیا گیا تو مخلوق نے یہ کہا: اے موسیٰ ﴿إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا فَٱعۡبُدۡنِي﴾ (طٰہٰ: ١١٤) ''بلاشبہ میں ہی الٰہ ہوں میرے سوا کوئی الٰہ نہیں لہذا میری ہی عبادت کرو''

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

⇦⇦ وہ سکوت جو بمعنی عدم کلام کے ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور جب چاہتا ہے کلام نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے: ما احل اللہ فی کتابہ فھو حلال، وما حرم فھو حرام، وما سکت عنہ فھو عافیۃ فا قبلوا من اللہ العافیۃ فان اللہ لم یکن نسیا۔ ثم تلاھذہ الایۃ (وما کان ربك نسیا) (المستدرك: ٢/٤٠٦)

دوسری حدیث میں ہے: وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ۔ (ترمذی: ١٧٢٦)

ایک حدیث میں ہے: وسکت عن اشیاء رحمۃ غیر نسیان فلاتبحثوا عنھا۔ (السنن الکبری للبیھقی: ١٠/٢١)

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ اللہ سکوت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ (مجموع الفتاوی: ٦/١٧٩)

ابو اسماعیل انصاری اور امام الائمہ ابن خزیمہ سے بھی اس صفت کا اثبات ثابت ہے۔ (انتھی ملخصا من تعلیقات العصیمی)

﴿ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾

(السجدہ:۱۳)

''لیکن میری بات پوری ہو کر رہی کہ میں جھنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔''

پس اللہ کا کلام اللہ عزوجل ہی سے ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اس کا کلام مخلوق درخت میں پیدا کیا گیا ہو۔ جیسا کہ یہ جائز نہیں کہ اس کا علم اس کے غیر میں پیدا کیا گیا ہو۔ اللہ عزوجل اس سے بہت بلند وبرتر ہے۔

۱۰:...... ایک جواب یہ بھی ہے کہ ان سے کہا جائے: جیسے یہ جائز نہیں کہ اللہ اپنا ارادہ کسی مخلوق میں پیدا کرے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنا کلام کسی مخلوق میں پیدا کرے۔ اگر اللہ کا ارادہ کسی مخلوق میں پیدا کیا گیا ہوتا تو وہ مخلوق جس میں وہ پیدا کیا گیا وہ اس ارادہ کی مرید ہوتی، اور یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ اپنا کلام کسی مخلوق میں پیدا کرے، کیوں کہ اس سے یہ واجب آتا ہے کہ وہ مخلوق جس میں کلام پیدا کیا گیا وہ اس کلام کی متکلم ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا کلام مخلوق کا کلام ہو۔

۱۱:...... ایک اور دلیل جو ان کے موقف کا رد کرتی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے مکاتب کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴾ (المدثر:۲۵) ''نہیں ہے یہ مگر بشر کا قول'' یعنی قرآن۔ پس جس نے گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے تو اس نے قرآن کو بشر کا قول بنا چھوڑا۔ اور اسی کا اللہ نے مشرکین پر انکار فرمایا ہے یوں بھی اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد متکلم ہوا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اشیاء اس کے امر اور قول کے بغیر ہی وجود میں آگئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ''کن'' نہ کہا۔ اس سے قرآن کی تردید ہوتی ہے اور یہ ایسا قول ہے جو تمام اھل اسلام کے قول سے ہٹ کر ہے۔

۱۲:...... آپ لوگ جان لیں کہ جہمیہ کا کہنا کہ کلام اللہ مخلوق ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ ہمیشہ سے ان بتوں کی طرح تھا جو نہ بولتے ہیں، نہ کلام کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل

نے ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

﴿ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝﴾ (الانبياء:٦٢-٦٣)

''ابرہیم ہمارے معبودوں سے یہ (سلوک)تم نے کیا ہے؟ابراہیم نے جواب دیا نہیں بلکہ ان کے بڑے (بت) نے کیا ہوگا لہٰذا اس سے پوچھ لو اگر بولتے ہوں۔''

ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خلاف یہ دلیل دی کہ بت جب بولتے اور کلام نہیں کرتے تو الہ نہیں ہوسکتے اور اللہ عزوجل ایسا نہیں کہ نہ کلام کرنے والا ہو اور نہ بولنے والا۔ وہ بت جن کے متعلق یہ ناممکن نہیں کہ اللہ ان کو زندہ کردے اور بولنے والا بنادے، الہ نہیں ہوسکتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ الہ ہو جس پر ازل ہی سے کلام کرنا مستحیل ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبرتر ہے۔

جب یہ جائز نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ازل سے ان بتوں سے کم تر ہو جو بولتے نہیں تو یہ واجب ٹھہرا کہ اللہ عزوجل ازل سے متکلم ہے۔

۱۳:...... ایک اور دلیل ملاحظہ کریں: اللہ عزوجل نے بتلایا ہے کہ وہ کہے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ﴾ (غافر:١٦) ''آج حکومت کس کی ہے'' اور روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ یہ کہے گا تو کوئی جواب نہ دے گا۔ پھر وہ خود ہی کہے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝﴾ (غافر:١٦) ''اللہ اکیلے کی جو سب پر غالب ہے۔''[1]

اللہ عزوجل اشیاء کے فناء ہونے کے باوجود یہ کہے گا جب نہ تو کوئی انسان، نہ بادشاہ، نہ زندہ، نہ جن، نہ پتھر، نہ درخت اور نہ ہی کوئی بستی ہوگی تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل کا کلام مخلوق سے خارج ہے کیوں کہ کلام ہوگا اور مخلوقات میں سے کوئی چیز بھی موجود نہ ہوگی۔

۱۴:...... ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى

[1] المستدرك: ٢/٤٧٥۔

﴿تَكْلِيمًا﴾ (النساء:١٦٤) ”اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے بول کر کلام کیا“ تکلم بالمشافهه کلام کو کہتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ متکلم کا کلام اس کے غیر میں حائل ہو اس کے سوا میں پیدا کیا گیا ہو جیسا کہ صفت علم کے متعلق یہ جائز نہیں۔

۱۵:...... ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (الاخلاص)

”آپ کہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اس کا ہمسر کوئی نہیں۔“

پس قرآن کیسے مخلوق ہو سکتا ہے جب کہ قرآن میں اللہ کا نام ہے۔ قرآن کے مخلوق ہونے سے تو یہ واجب آتا ہے کہ اللہ کے اسماء مخلوق ہوں۔ اور اگر اس کے اسماء مخلوق ہیں تو اس کی وحدانیت بھی مخلوق ہوئی۔ اسی طرح علم وقدرت بھی مخلوق ہوئیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے۔

۱۶:...... ایک اور دلیل ملاحظہ فرمائیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن : ۷۸) ”بابرکت ہے تیرے رب کا نام“ مخلوق کو تبارک نہیں کہا جاتا۔ اس سے یہ دلیل ملتی کہ اللہ کے اسماء غیر مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ (الرحمن:۲۷) ”فقط آپ کے رب کا چہرہ باقی رہ جائے گی“ جس طرح یہ جائز نہیں کہ ہمارے رب کا چہرہ مخلوق ہو اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے اسماء مخلوق ہوں۔

۱۷:...... ایک اور دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ﴾
(آل عمران:۱۸)

”اللہ نے شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں فرشتوں اور علم والوں نے بھی شہادت دی ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا ہے۔“

یہ بات لازم ہے کہ اس نے یہ گواہی دی اور خود سے سنی، کیوں کہ اگر مخلوق سے سنی تو پھر تو یہ اس کی اپنی گواہی نہ ہوئی، پس جب یہ اس کی گواہی ہے اور اس نے یہ گواہی دی بھی ہے تو یہ بات اس سے خالی نہیں کہ اس نے یہ گواہی یا تو مخلوقات سے پہلے دی یا مخلوقات کے بعد، اگر یہ گواہی اس نے مخلوقات کے بعد دی تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے مخلوق سے قبل اپنے نفس کے لیے الوہیت کی گواہی نہیں دی، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سے تو یہ واجب آتا ہے کہ مخلوق سے قبل کسی نے بھی توحید کی گواہی نہیں دی۔ اور جب مخلوق کے وجود سے قبل وحدانیت کی گواہی ناممکن ہوئی تو توحید کا اثبات بھی محال ہوا۔ اور یہ بھی محال ہوا کہ وہ مخلوق سے قبل واحد ہو۔ کیوں کہ جس کی گواہی دینا محال ہے وہ خود بھی محال ہے۔ اور اگر اس نے توحید کی گواہی مخلوق سے قبل دی ہے تو یہ باطل ہوئی کہ اس کا کلام مخلوق ہے، کیوں کہ اللہ کا کلام اس کی گواہی ہے۔

۱۸:...... جہمیہ کے فرقوں کی بات کے رد پر ایک یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ کے نام قرآن میں سے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۝﴾ (الاعلی:۱۔۲)

''اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجیے جو اعلی ہے جس نے پیدا کیا پھر اسے درست کیا۔''

یہ ممکن نہیں کہ تیرے بلند رب کا نام، جس نے پیدا کیا پھر برابر کیا، مخلوق ہو۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہمارے رب کی بزرگی مخلوق ہو۔ اللہ تعالی نے سورہ جن میں فرمایا ہے:

﴿وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا﴾ (الجن:۳)

''اور ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے۔''

اور جس طرح یہ جائز نہیں کہ اس کی عظمت مخلوق ہو۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اس کا کلام مخلوق ہو۔

۱۹:...... اور دلیل ان کے رد میں یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿ وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ﴾ (الشوری:۵۱)

''کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر وحی یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیجتا ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔''

اگر اللہ کا کلام صرف مخلوق میں پیدا کیے جانے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہو تو ان وجوہ کی شرط لگانے کا کوئی معنی نہیں۔ کیوں کہ جہمیہ کے گمان کے مطابق اس کا کلام جو غیر اللہ میں پیدا کیا گیا ہے وہ تمام مخلوق نے سن لیا ہے۔ ان کی یہ بات انبیاء کے مرتبہ کے ساقط ہونے کو واجب کرتی ہے۔

۲۰:...... جہمیہ کے گمان کے مطابق کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام درخت میں پیدا کر کے کیا، یہ لازم آتا ہے کہ جس نے اللہ کا کلام اس فرشتے یا نبی سے سنا اور موسیٰ علیہ السلام سے کلام لیا ہے موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہے۔ کیوں کہ اس شخص نے کلام نبی سے سنا اور موسیٰ علیہ السلام نے نہ نبی سے سنا بلکہ درخت سے سنا۔ ان کے گمان کے مطابق یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ یہودی جس نے اللہ کا کلام نبی سے سنا وہ اس اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام بن عمران سے افضل ہوا۔ کیوں کہ یہودی نے اللہ کے انبیاء میں سے ایک نبی سے سنا اور موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں پیدا کیا گیا سنا۔ اور اگر کلام درخت میں پیدا کیا گیا تھا تو اللہ موسی علیہ السلام سے پس حجاب کلام کرنے والا نہ ہو۔ کیوں کہ درخت کے پاس جو بھی جن وانس تھے انھوں نے بھی اس جگہ سے کلام کو سنا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے غیر اس میں برابر ہوئے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا کلام پس حجاب سے نہ تھا۔

۲۱:...... ان کو ایک اور جواب بھی دیا جائے گا کہ تم نے گمان کیا ہے کہ ''كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى'' کا معنی ہے کہ اللہ نے کلام کو پیدا کر کے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی۔ تو یہ بھی تمھارے ہاں ہونا چاہیے کہ اللہ نے ذراع میں کلام پیدا کیا۔ کیوں کہ ذراع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: لا تاکلنی فانی مسمومة۔ [1]

[1] امام عراقی نے کہا کہ اس میں انقطاع ہے۔ (تخریج احیاء علوم الدین: ۲/۱۰۶)

پس تمھیں یہ لازم آیا کہ جو کلام نبی ﷺ نے ذراع سے سنا وہ اللہ کا کلام تھا۔ اگر یہ محال ہے کہ اللہ نے اس مخلوق کلام سے کلام کیا ہو تو اس پر انکار کیوں کرتے ہو کہ یہ بھی محال ہو کہ اللہ نے اپنا کلام درخت میں پیدا کیا ہو۔ کیوں کہ مخلوق کا کلام اللہ کا کلام نہیں ہوتا۔ اگر اللہ کا کلام جس سے اس نے کلام کیا تمھارے نزدیک مخلوق ہے تو اس سے تمھیں یہ لازم آتا ہے کہ اللہ اس کلام کا بھی متکلم ہو جو اس نے ذراع میں پیدا کیا۔ اگر جہمیہ اس الزام کو مان لیں تو ان سے کہا جائے گا: تمھارے قول کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ اللہ ہی نے کہا: لاتاكلني فانی مسمومة۔[1] اللہ تمھارے اس افتراء سے بہت بلند و برتر ہے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ جائز نہیں کہ اللہ کا کلام ذراع میں مخلوق ہو تو ان سے کہا جائے گا: اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اللہ کا کلام درخت میں مخلوق ہو۔

۲۲:...... **مسئلہ**: ان جہمیہ سے اس کلام کے متعلق سوال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے بھیڑیے سے کہلوایا[2] جب اس نے نبی ﷺ کی نبوت کی خبر دی۔ ان سے کہا جائے گا: جب اللہ تعالیٰ ایسے کلام کے توسط سے کلام کرتا ہے جو اپنے غیر میں پیدا کرتا ہے تو اس بات کا تم انکار کیوں کرو گے کہ وہ کلام جو آپ ﷺ نے بھیڑیے سے سنا وہ اللہ کا کلام ہو۔ اور یہ معجزواقعہ اس بات پر دال ہو کہ بھیڑیے کا کلام اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ اس بات کے مطابق جہمیہ پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ کلام بھیڑیے کا نہیں، اللہ کا تھا، کیوں کہ بھیڑیے سے کلام کا صدور معجزہ ہے جیسا کہ درخت سے کلام کا صدور معجزہ ہے۔ پس اگر بھیڑیا اس مخلوق کلام کا متکلم تھا تو اس کا انکار کیوں؟ کہ درخت بھی مخلوق کلام کا متکلم ہو اور مخلوق ہی نے کہا ہو: ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ (القصص: ۳۰) اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے۔

۲۳:...... ان سے کہا جائے گا: تمھارے نزدیک جب اللہ کا کلام اس کے غیر میں مخلوق ہوتا ہے تو تمھیں یہ بے خوفی کیسے ہوگی؟ کہ جو کلام اللہ غیر میں پیدا کیا گیا پس وہ درحقیقت اللہ ہی کا کلام ہوا۔ اگر وہ کہیں کہ درخت متکلم نہیں ہو سکتا کیوں کہ متکلم صرف زندہ ہی ہو سکتا

---

[1] بخاری: ۲٦۱۷، مسلم: ۲۱۹۰ [2] بخاری: ۲۳۲٤، مسلم: ۲۳۸۸

ہے، تو ان سے کہا جائے گا: پھر تو درخت میں کلام کو پیدا کرنا بھی ناجائز ہوا کیوں کہ جس میں کلام کو پیدا کیا جائے وہ صرف زندہ ہی ہو سکتا ہے اگر یہ جائز ہے کہ کلام غیر زندہ میں پیدا کیا جائے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ وہ کلام کرے جو زندہ نہیں۔ ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تم یہ بھی کیوں نہیں کہتے کہ وہ چیز بھی کہتی ہے جو غیر زندہ ہے۔ کیوں کہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ زمین و آسمان نے کہا: ﴿قَالَتَآ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ﴾ (فصلت: ۱۱) ''دونوں نے کہا: ہم فرمابرداروں کی طرح آ گئے''

۲۴:...... ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے ابلیس کو کہا نہیں: ﴿وَّ اِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ لازمی بات ہے جواب میں ہاں ہی کہیں گے۔ اس کے بعد ان سے کہا جائے گا: جب اللہ کا کلام مخلوق ہے اور مخلوقات فناء ہونے والی ہیں تو لازم آیا کہ جب اللہ اشیاء کو فناء کر دے گا تو ابلیس پر لعنت بھی فانی ہو جائے گی۔ اور ابلیس غیر ملعون ہو جائے گا۔ اور اس موقف کو اپنانے میں مسلمانوں کے دین کا ترک اور اللہ کے اس قول کا رد ہے ﴿وَّ اِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ ابلیس پر لعنت جزاء کے دن تک جو کہ قیامت کا دن ہے باقی رہنے والی ہے۔ یوم الدین کا معنیٰ ہے جزاء کا دن کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ (الفاتحہ: ٤) قیامت کے بعد ابلیس ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور لعنت اللہ کا کلام ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿عَلَيۡكَ لَعۡنَتِیۡۤ﴾ س اس بات سے یہ واجب آتا ہے کلام اللہ کا فناء ہونا جائز نہیں اور یہ غیر مخلوق ہے کیوں کہ مخلوقات کا فناء ہونا جائز ہے۔ کلام اللہ کا فناء ہونا جب جائز نہ ہوا تو وہ غیر مخلوق ہوا۔

۲۵:...... ان جہمیہ سے کہا جائے گا: جب اللہ کا غضب اور رضا، سخط غیر مخلوق ہے تو تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ اس کا کلام بھی غیر مخلوق ہے؟ اور جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کا غضب مخلوق ہے تو اس پر یہ لازم آیا کہ اللہ کا کفار پر غضب اور ناراضی فناء ہو جائے گی۔ انبیاء اور فرشتوں سے اس کی رضا مندی بھی فناء ہو جائے گی۔ نہ تو وہ اپنے اولیاء سے راضی ہوگا اور نہ اپنے دشمنوں پر ناراض اور یہ بات مسلمانوں کے دین سے خارج ہے۔

۲۶:...... جہمیہ سے کہا جائے گا: ہمیں بتاؤ کہ اللہ کا کسی چیز کو ''کُنْ'' کہنے سے اللہ کی مخلوق مراد ہے؟ اگر وہ کہیں: نہیں، تو ان سے کہا جائے گا: پھر اس بات کا انکار کیوں کرتے ہو کہ اللہ کا وہ کلام جو قرآن ہے وہ بھی غیر مخلوق ہو جس طرح تم نے گمان کیا ہے اللہ کا کسی چیز کو کن کہنا مخلوق نہیں (تو ادھر بھی اسی طرح مان لو) اگر یہ لوگ کہیں کہ اللہ کا کن کہنا مخلوق ہے تو ان سے کہا جائے گا: اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (النحل: ٤٠) اس سے تمہیں یہ لازم آتا ہے کہ اللہ نے اپنے کن کو بھی کن کہا ہوگا۔ اور اس سے دو چیزیں واجب آتی ہیں: یا تو اللہ کا غیر کا کن کہنا غیر مخلوق ہوا اور یا یہ کہ ہر کن کے لیے ایک کن ہوا۔ یعنی کن کا غیر محدود سلسلہ۔ اگر یہ جہمیہ کہیں اللہ کا ایک قول غیر مخلوق ہے تو ان سے کہا جائے گا: تم نے اس کا انکار کیوں کہ اللہ کا ایمان کا ارادہ کرنا غیر مخلوق ہو۔ ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا تم نے کس علت کے سبب کسی چیز کے لیے اللہ کے کن کہنے کو غیر مخلوق کہا ہے؟ اگر وہ کہیں کہ قول کو کن نہیں کہا جاتا تو ان سے کہا جائے گا: قرآن غیر مخلوق ہے کیونکہ یہ بھی قول ہے اور اللہ قول کو کن نہیں کہتا۔

۲۷:...... جہمیہ سے پوچھا جائے گا: کیا اللہ ہمیشہ سے اپنے اولیاء و اعداء کو جاننے والا نہیں؟ ہاں کہے بغیر ان لوگوں کے لیے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ پھر ان سے کہا جائے گا: بتاؤ کیا وہ ہمیشہ سے اپنے اولیاء و اعداء میں تفرقہ کا ارادہ کرنے والا نہیں؟ اگر کہیں ہاں تو کہا جائے گا: جب اللہ کا ارادہ ازل سے ہے تو غیر مخلوق ہوا اور جب ارادہ غیر مخلوق ہوا تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ کلام بھی غیر مخلوق ہے۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ ہم نہیں کہتے وہ ازل سے اپنے لوگ اولیاء و اعداء میں تفرقہ کا ارادہ کرنے والا ہے۔ تو اس صورت میں ان لوگوں نے گمان کیا کہ اللہ اپنے اولیاء و اعداء میں فرق کا ارادہ نہیں کرتا اور انھوں نے سبحانہ و تعالی کو نقص کی طرف منسوب کر دیا۔ اللہ قدریہ کے قول سے بہت برتر ہے۔

۲۸:...... ان سے کہا جائے گا: شیء مخلوق یا کوئی بدن ہوگی، کوئی شخص ہوگا اور یا اشخاص کی صفات میں سے کوئی صفت ہوگی۔ یہ جائز نہیں کہ کلام اللہ شخص ہو، کیونکہ اشخاص کے حق

میں اکل وشرب اور نکاح جائز ہوتا ہے۔ جب کہ یہ کلام اللہ کے حق میں جائز نہیں۔ یہ بھی جائز نہیں کلام اللہ کسی شخص کی صفت ہو۔ کیونکہ صفات آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی باقی نہیں رہتی۔ صفات بقاء کی متحمل نہیں ہوتی۔ اس صورت میں یہ واجب آتا ہے کہ کلام اللہ فناء ہو گیا۔ پس یہ جائز نہ ہوا کہ کلام اللہ شخص یا شخص کی صفت ہو۔ اور جب یہ جائز نہ ہوا تو یہ بھی جائز نہ ہوا کہ مخلوق ہو۔ اشخاص پر تو موت بھی جائز ہوتی ہے۔ جس نے کلام اللہ کو شخص ثابت کیا اس کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ کلام اللہ پر موت کو بھی جائز کہے۔ اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جو جائز نہیں۔ یہ بھی جائز نہیں کہ کلام اللہ کسی مخلوق شخص میں پیدا کیا گیا ہو۔ جیسا کہ یہ بھی جائز نہیں کہ کلام اللہ کسی مخلوق شخص کی صفت ہو۔ اگر یہ کسی شخص میں پیدا کیا گیا ہوتا تو کلام اللہ اور کلام الخلق میں فرق کرنا ممکن نہ ہوتا کیونکہ دونوں شخص مخلوق میں مخلوق ہوتے۔ کلام اللہ کا کسی شخص میں مخلوق ہونا اسی طرح جائز نہیں جس طرح یہ جائز نہیں کہ اس کا علم کسی مخلوق شخص میں پیدا کیا گیا ہو۔

۲۹:...... ان لوگوں سے کہا جائے گا: اگر کلام اللہ مخلوق ہوتا تو یا تو جسم ہوتا یا جسم کی صفت اگر جسم ہوتا تو یہ جائز تھا کہ (کلام اللہ خود بھی) متکلم ہو۔ (کیوں کہ اللہ کی قدرت سے جسم بھی کلام کر سکتا ہے) اور اللہ جسم کو بدلنے میں قادر ہے۔ اس سے جہمیہ کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ یہ بات جائز قرار دیں کہ اللہ قرآن کو انسان یا ہرن یا شیطان بنا سکتا ہے۔ اللہ کا کلام اس سے بلند ہے کہ اس طرح ہو۔

اگر کلام اللہ کسی جسم کی صفت ہو جیسے صفات ہوتی ہیں تو اللہ صفات کو اجسام بنانے پر قادر ہے۔ اس سے جہمیہ پر یہ واجب آتا ہے کہ وہ یہ جائز قرار دیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کو ایسا جسم بنا دے جو کھا پی کر ممتد ہونے ہو یا انسان بنا کر موت دے دے۔ حالاں کہ یہ سب کلام اللہ کے حق میں جائز نہیں۔

باب 5

کلام اللہ کے متعلق آثار

ا:...... ابو بکر کہتے ہیں: میں اور عباس بن عبدالعظیم عنبری ابو عبداللہ (امام احمد) کے پاس آئے، عباس بن عبدالعظیم نے ابو عبداللہ احمد بن حنبل سے سوال کیا کہ یہاں ایک نئی پود ہے جو کہتی ہے قرآن مخلوق ہے اور نہ ہی غیر مخلوق۔ یہ پود جہمیہ سے بھی زیادہ ضرر رساں ہے۔

ابو عبداللہ کہنے لگے: یہ بری قوم ہے۔ عباس نے پوچھا: ابو عبداللہ آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمانے لگے: جس چیز کا میں اعتقاد رکھتا ہوں اور اس میں شک بھی نہیں کرتا وہ یہ ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ پھر فرمانے لگے: سبحان اللہ! اس میں شک کون کرے گا! سبحان اللہ کیا اس میں بھی شک ہو گا! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ اور فرمایا: ﴿الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝﴾ (الرحمن: ۱۔ ۳) نہایت مہربان، جس نے قرآن سکھلایا، انسان کو پیدا کیا اللہ نے انسان اور قرآن میں فرق کیا ہے۔ علم اور خلق کہہ کر اللہ نے فرق کیا۔ پھر فرمانے لگے: قرآن اللہ کے علم سے ہے کیا دیکھتے نہیں اللہ کہہ رہے ہیں ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ اور قرآن میں اللہ کے اسماء حسنیٰ بھی ہیں۔ وہ لوگ کیا کہیں گے؟ کیا وہ یہ نہیں کہتے کہ اسماء اللہ غیر مخلوق ہیں!! اللہ ازل سے قدیر، علیم، عزیز، حکیم، سمیع اور بصیر ہے۔ ہمیں اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ اسماء غیر مخلوق ہیں ہمیں اس بات میں بھی ذرا شبہ نہیں کہ اللہ کا علم غیر مخلوق ہے۔ پس قرآن علم اللہ سے ہے۔ اس بات میں اسماء اللہ بھی ہیں۔ پس ہمیں ذرا شبہ نہیں کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔ وہ ازل سے متکلم ہے۔ مزید گویا ہوئے: اس سے بڑھ کر کفر کیا ہے! اس سے بدکفر کون سا ہے!؟ اگر ان لوگوں نے گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے تو انھوں نے یہ بھی گمان کیا کہ اسماء اللہ مخلوق ہیں اللہ کا علم مخلوق ہے۔ لیکن لوگ اس سے تعاون برتتے ہیں اور کہتے ہیں قرآن مخلوق ہے۔ اور اس کو ہلکی بات

سمجھتے ہیں، جو کفر اس میں ہے اس کو جانتے نہیں، میں اس کا اظہار سب کے سامنے نہ پسند کرتا ہوں۔ لوگ سوال کرتے ہیں میں اس میں کلام کرنا ناپسند کرتا ہوں اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ میں اس مسئلہ میں امساک کرتا ہوں۔ میں (ابوبکر) نے کہا: جو کہے قرآن مخلوق ہے اللہ کے اسماء اور علم کے بارے کچھ نہ کہے کیا میں کہوں کہ وہ کافر ہے؟ فرمانے لگے ہمارے نزدیک وہ کافر ہی ہے۔ پھر ابوعبداللہ نے فرمایا: ہمیں قرآن میں شک کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس میں اسماء اللہ وعلم اللہ ہے۔ جس نے کہا: یہ مخلوق ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے۔ میں (ابوبکر) بار بار امام احمد سے یہ بات کرتا رہا تو مجھے عباس نے کہا: سبحان اللہ کیا اس سے کم تجھے کافی نہیں؟ امام احمد فرمانے لگے: کیوں نہیں۔ [1]

۲:...... حسین بن عبدالاول ذکر کرتے ہیں کہ میں نے وکیع کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کہا: قرآن مخلوق ہے وہ مرتد ہے۔ اس سے توبہ کروائی جائے گی، توبہ کرلے گا (تو ٹھیک) وگرنہ قتل کردیا جائے گا۔ [2]

۳:...... محمد بن صباح بزار فرماتے ہیں: ہمیں علی بن حسن بن شقیق نے بیان کیا فرماتے ہیں: میں نے ابن مبارک کو فرماتے ہوئے سنا کہہ رہے تھے: ہم یہود ونصاری کا کلام حکایت کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں لیکن جہمیہ کے کلام کی حکایت کی استطاعت نہیں رکھتے۔ محمد فرماتے ہیں: آپ کا مطلب تھا ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں لاعلمی میں کفر نہ کر بیٹھیں۔ (یعنی جہمیہ کا کلام بہت بڑے کفر پر مشتمل ہے) [3]

---

[1] السنة للخلال: ۲۰۸/۲ وصححه المحقق وقال: وسنده كما يظهر رجاله ثقات۔

* [ہم نے توفیق الہی سے مجموعہ مقالات اصول السنہ لامام احمد بن حنبل نامی کتاب شائع کی اس میں خلق قرآن کے مسئلہ پر امام احمد رحمہ اللہ کے بعض رسائل مستقل خلق قرآن کے رد پر ہیں۔ ان کو ضرور مطالعہ کیا جائے۔ ہماری یہ کتاب عام دستیاب ہے۔ الحمدللہ]

[2] السنة لعبد الله بن امام احمد: ۱۱۵/۱ ح: ۲۹۴، خلق افعال العباد: ۴۳، لالكائی: ۵۰۶/۲ (صحيح)، عقائد سلف ص: ۱۲۵، الرد على الجهميه: ۳۶۰،

[3] صحيح۔ السنة لعبد الله: ۱۱۱/۱، الشريعه: ۵۷۹، الرد على الجهميه للدارمی: ۲۴.

۴:...... ھارون بن اسحاق ہمدانی از ابونعیم از سلیمان بن عیسیٰ قاری از سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ مجھے حماد بن سلیمان نے کہا: مشرک [ـــ] کو یہ بات پہنچا دو کہ میں اس سے بری ہوں سفیان کہتے ہیں کیوں کہ وہ کہتے تھے: قرآن مخلوق ہے۔ ❶

۵:...... سفیان بن وکیع ذکر کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن حماد بن ابی حنیفہ سے سنا وہ بتا رہے تھے کہ ان کے والد نے بتایا: وہ کلام جس کے متعلق ابن ابی لیلی نے بعض سے توبہ کرائی تھی وہ قرآن کو مخلوق کہنا تھا۔ ان سے توبہ کرائی اور لوگوں میں چکر لگایا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا: آپ نے قرآن کو مخلوق کہنے کا موقف کیوں اپنایا ہے؟ کہنے لگے مجھے ڈر ہوا کہ مجھے ہی آلیں گے سو میں نے تقیہ کیا۔ ❷

۶:...... ہارون بن اسحاق از اسماعیل بن ابی الحکم از عمر بن عبید طنافسی ذکر کرتے ہیں کہ حماد بن ابی سلیمان نے بعض کو یہ پیغام بھیج دیا کہ میں اس سے بری ہوں جو تم کہتے ہو الا کہ توبہ کرلو۔ ابن ابی عیینہ وہاں پاس ہی تھے، کہنے لگے مجھے آپ کے پڑوسی نے بتایا کہ توبہ کے بعد بعض نے ان کو پھر سے اس بات کی طرف بلایا جس سے ان کو توبہ کرائی گئی تھی۔ ❸

۷: ابو یوسف سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے بعض سے دو ماہ مناظرہ کیا حتی کہ انھوں نے خلق قرآن کے موقف سے رجوع کرلیا۔ ❹

۸:...... سلیمان بن حرب کہتے ہیں قرآن غیر مخلوق ہے اور یہ میں نے کتاب اللہ سے

---

❶ ضعيف الاشعرى لم يلق هارون بن اسحاق وابو نعيم ضرار بن صرد متروك۔ تاريخ بغداد: ۱۵/۵۲۲، الابانه الكبرى: ۴/۳۳۵، لالكائی: ۱/۱۷۴. نیز دیکھیے خلق افعال العباد، عقائد سلف ص: ۱۱۷

❷ ضعيف فيه انقطاع۔ وسفيان بن وكيع ضُعِّفَ۔ السنة لعبد الله: ۱/۱۸۳، تاريخ بغداد، ۱۵/۵۲.

❸ ضعيف۔ فيه انقطاع تاريخ بغداد، ۱۵/۵۲۱.

❹ ضعيف.

اخذ کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ﴾ (آل عمران: ۷۷) اللہ ایسے لوگوں سے نہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ کلام اللہ اور نظر کا ایک ہی حکم ہے یعنی دونوں غیر مخلوق ہیں۔ [1]

۹: حسین بن عبدالاول از محمد بن حسن بن ابو یزید ھمدانی از عمرو بن قیس ملائی از عطیہ از ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (فضل کلام اللہ عزوجل علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقه) [2] اللہ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر اللہ کی مخلوق پر فضیلت کی مانند ہے۔

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے اور جو کلام اللہ ہے وہ اللہ کی مخلوق نہیں۔ اللہ نے قرآن میں یہ کہہ کر بیان کردیا ہے قرآن اس کا کلام ہے۔ فرمایا: ﴿حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ (التوبة:٦) قرآن کریم میں کئی جگہ یہ دلالت موجود ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے اچھی طرح کلام کیا۔

۱۰:...... وکیع از اعمش از خیثمہ از عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مامنکم من احد الا سیکلمه ربه لیس بینه وبینه ترجمان)) [3] تم میں سے کوئی بھی نہیں مگر اللہ اس سے کلام کرے گا اور بندے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان بھی نہ ہوگا۔

۱۱:...... اس بات کی وضاحت کرنے والی چیزوں میں سے کہ اللہ متکلم ہے ایک وہ روایت بھی ہے جس کو عفان از حماد بن سلمہ از اشعث حدانی از شھر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے کلام کی تمام قسم کے کلاموں پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے اللہ کو اس کی مخلوق پر۔ [4]

۱۲:...... یعلی بن منھال سعدی از اسحاق بن سلیمان رازی از جراح بن ضحاک کندی

[1] صحیح۔ السنة للخلال :۲/۲۱۸، لالکائی:۲/۲۵۱.

[2] حسن۔ ترمذی:۲۹۲٦، سنن الدارمی:۳۳۵٦.

[3] بخاری:٦۵۳۹، مسلم:۱۰۱٦. [4] صحیح۔ سنن الدارمی:۳۳۵۲.

ازعلقمہ بن مرثد از ابوعبدالرحمن سلمی از عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((افضلکم من تعلم القرآن و علمه))❶ تم میں سے سب سے افضل وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

۱۳:...... سعید بن داود از ابوسفیان از معمر از قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں: ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ (لقمان:۲۷) زمین میں جتنے درخت ہیں وہ مل کر قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے پھر اس کے بعد سات مزید سمندر بھی روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔

فرماتے ہیں: مشرکین نے کہا: قریب ہے یہ کلام ختم ہو جائے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جو تم سن رہے ہو کہ اگر زمین کے درخت قلمیں ہوں سات سمندروں کے ساتھ اور سات سمندر سیاہی بن جائیں پھر قلمیں ٹوٹ جائیں سمندر ختم ہو جائیں اس سے قبل کہ میرے رب کے عجائب، حکمت، کلمات اور علم ختم ہو۔❷

۱۴:...... ھارون بن معروف از جریر از منصور از ھلال بن اساف از فروہ بن نوفل ذکر کرتے ہیں کہ میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا پڑوسی تھا۔ انھوں نے مجھے کہا: جس قدر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی استطاعت رکھتے ہو اتنا تقرب حاصل کرو، اور اس کے لیے اس کے کلام سے زیادہ اس کو محبوب چیز کوئی نہیں۔❸

۱۵:...... ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ﴾ (الزمر:۲۸) کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔❹

۱۶:...... لیث بن یحییٰ از ابراہیم بن الاشعث از مومل بن اسماعیل از ثوری بیان کرتے

❶ صحیح۔ الرد علی الجهمیه للدارمی:۳٤١/٢ واصل الحدیث عندالبخاری.

❷ صحیح۔ لالکائی :٢٢٠/٢، العظمة:٣٤٤/١، تفسیر طبری:٢٢٠/١٠

❸ صحیح۔ السنة لعبدالله بن احمد:١٤١/١، الشریعة:١٥٨، مستدرك حاكم: ٤٨٩/٢.

❹ ضعیف۔ لالکائی : ٢١٧/٢، الابانه الکبری :٢٤٩/٣.

ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جس نے گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے تو اس نے کفر کیا۔ ❶

۱۷:...... جعفر بن محمد بن صادق سے با سند صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: قرآن نہ تو خالق ہے اور نہ مخلوق۔ ❷

یہ ان کے چچا زید بن علی اور ان کے دادا علی بن حسین سے بھی مروی ہے۔ ❸

۱۸:...... علماء، رواۃ الحدیث اور ناقلین اخبار سے یہ کہنے والے کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور جس نے اس کو مخلوق کہا کافر ہے اتنے زیادہ ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے۔ ان میں حماد، ثوری، عبدالعزیز بن ابی سلمہ، مالک بن انس، شافعی اور ان کے اصحاب، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، ھشام، عیسی بن یونس، حفص بن غیاث، سعید بن عامر، عبدالرحمن بن مھدی، ابو بکر بن عیاش، وکیع، ابو عاصم النبیل، یعلی بن عبید، احمد بن یونس، ابو نعیم، قبیصہ بن عقبہ، سلیمان بن داود، ابو عبید قاسم بن سلام اور یزید بن ھارون وغیرہم شامل ہیں۔

۱۹:...... اگر ہم یہ بات کہنے والوں کا تتبع کریں تو بہت طوالت ہو جائے گی۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے اسی میں کفایت ہے۔ والحمدللہ رب العلمین

۲۰:...... ہم نے اپنی اس بات ؛ کہ قرآن غیر مخلوق ہے، کی صحت پر کتاب اللہ اور اس میں جو برہان و بیان ہے اس سے دلیل دے دی ہے اور ہم نے ان میں سے جو آثار کے حاملین ہیں، ناقلین اخبار ہیں اور اھل علم میں سے جن کی لوگ اقتداء کرتے ہیں ایک شخص بھی نہیں پایا جو خلق قرآن کا قائل ہو! یہ صرف لوگوں میں سے جُہال نے بات کہی ہے۔ جن کی بات کی کوئی حیثیت نہیں۔ جو ادلہ ہم نے پیچھے ذکر کی ہیں وہ ان کے باطل اور ان کے قول کا رد کرتی ہیں۔ والحمد للہ علی قوۃ الحق حمدا کثیرا۔

---

❶ صحیح۔ خلق افعال العباد: ۱۳/۲، الابانہ: ۳۰۲/٤، حلیۃ: ۳۰/۷۔

❷ صحیح۔ لالکائی: ۲٤۱/۲، خلق افعال العباد: ۱٦/۲، السنۃ لعبد اللہ: ۱۵۲/۱

❸ حسن۔ السنۃ للخلال: ۱۹۸۲، الاسماء والصفات: ۵۳۳، لالکائی: ۲۳۷/۲۔

باب 6

واقفیہ [1] کا تذکرہ؛ قرآن کو نہ تو مخلوق کہتے ہیں اور نہ غیر مخلوق

ا:...... ان سے کہا جائے گا: تم نے یہ کیوں موقف اپنایا ہے؟ اگر وہ کہیں: اس لیے کہ نہ تو اللہ نے اپنی کتاب میں اس کو مخلوق کہا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اور نہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ اس وجہ سے ہم اس میں توقف کرتے ہیں اور نہ مخلوق کہتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق۔

۲:...... ان سے کہا جائے گا: اللہ نے اپنی کتاب میں تم سے یہ کہا ہے کہ اس میں توقف کرو غیر مخلوق نہ کہو؟ یا رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ توقف کرو غیر مخلوق نہ کہو؟ یا اس توقف پر مسلمانوں کا اجماع ہے؟ اگر وہ کہیں ہاں تو لاجواب ہو جائیں گے۔ اگر کہیں نہیں تو کہا جائے گا: جس جہت سے تم نے اپنے اوپر توقف لازم کرلیا ہے اسی جہت سے یہ کہنے میں یہ توقف نہ کرو کہ یہ غیر مخلوق ہے۔

۳:...... ان سے کہا جائے گا: اس کا انکار کیوں کرتے ہو کہ قرآن میں اس کے غیر مخلوق ہونے کی دلیل موجود ہو؟ اگر کہیں: اس لیے کہ ہم نے قرآن میں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی تو کہا جائے گا: تم نے یہ گمان کیوں کرلیا کہ جب قرآن میں تم نے نہیں پائی تو موجود ہی نہیں؟

۴:...... پھر ہم ان کو ادلہ قرآن میں موجود دکھائیں گے اور وہ آیات تلاوت کریں گے جو ہم قرآن کے غیر مخلوق ہونے پر ادلہ کی صورت ذکر کر چکے ہیں۔ جیسے یہ آیات ہیں: ﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾ (الاعراف:٥٤) ﴿ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (النحل:٤٠) ﴿ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي ﴾ (الكهف:١٠٩) ان سے کہا جائے گا: توقف کا موقف اپنانے سے تم پر یہ لازم آتا ہے کہ ہر وہ مسئلہ جس میں

---

[1] واقفیہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو قرآن کو مخلوق یا غیر مخلوق کہنے سے سکوت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کا غیر مخلوق ہونا قاطع برہان سے ثابت ہے۔

لوگوں کا اختلاف ہے تم اس میں توقف کرو۔ اگر تمہارے لیے مسلمانوں میں سے بعض کے موقف کو اپنانا جائز ہے جب اس موقف پر دلیل ہو تو ان ادلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جو ہم نے ذکر کی ہیں تم کیوں نہیں کہتے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔

۵:...... اگر کوئی کہے: ہمیں بتاؤ کیا تم مانتے ہو کہ کلام اللہ لوح محفوظ میں ہے؟ اس کو کہا جائے گا؟ بالکل ہم یہی کہتے ہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝﴾ (البروج: ۲۱۔ ۲۲) ''بلکہ یہ قرآن بلند پایہ جو لوح محفوظ میں (درج) ہے۔'' پس قرآن لوح محفوظ میں ہے اور ان لوگوں کے سینوں میں بھی ہے جو علم دیے گئے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (العنکبوت: ۴۹) ''بلکہ وہ واضح آیات ہیں ان لوگوں کے سینے میں جو علم دیے گئے ہیں۔'' اس کی زبانوں کے ذریعے تلاوت بھی کی جاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیامۃ: ۱۶۔ ۱۷) ''اے نبی ﷺ اس وحی کو جلدی یاد کر لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے۔ سو اس کو دل میں جمع کرنا اور زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔''

قرآن حقیقتاً مصاحف میں مکتوب ہے۔ حقیقتاً ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ حقیقتاً ہماری زبانوں سے متلو ہے۔ حقیقتاً ہم اس کو سنتے ہیں، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ: ۶) ''تو اسے پناہ دیجیے حتی کہ وہ (اطمینان سے) اللہ کا کلام سن لے۔''❶

۶:...... اگر کوئی کہے کہ مسئلہ ''لفظ بالقرآن''❷ کے متعلق بتاؤ کہ اس کے بارے میں

❶ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ بندوں کے افعال، سیاہی، ورقے وغیرہ مخلوق ہیں۔ اس پر اہل السنہ کا اجماع ہے۔ جو اہل الحدیث سے نقل کرتے ہیں کہ وہ مداد، وغیرہ کے قدیم ہونے کے قائل ہیں وہ محض جھوٹ بولتے ہیں۔

❷ جب ہم لفظنا بالقرآن مخلوق کہتے ہیں تو اس میں دو احتمال ہوتے ہیں: ایک یہ کہ ہمارا عمل جو قرآن پڑھنے پر مشتمل ہے اور ہماری زبان کی حرکت ہے یہ مخلوق ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہوتا ہے کہ ملفوظ یعنی قرآن مخلوق ہے۔ اور یہ معنی باطل ہے۔ جہمیہ تلبیس کے لیے یہ کہا کرتے تھے۔ اسی لیے ائمہ نے ان پر سخت نکیر کی۔ اور قرآن کی ⇦

تمہارا کیا موقف ہے؟ تو اس سے کہا جائے گا:

قرآن حقیقتاً پڑھا اور تلاوت کیا جاتا ہے۔ یہ جائز نہیں کہ کہا جائے اس کا لفظ کہا جاتا ہے، کیونکہ قائل کے لیے جائز نہیں کہ وہ کہے کہ ملفوظ بہ کلام ہے۔ کیونکہ عرب میں سے جب کوئی کہے: ”لفظت باللقمة من فی“ تو اس کا معنی ہوتا ہے میں نے لقمہ کو اپنے منہ سے پھینک دیا۔ اللہ عزوجل کے کلام کو ملفوظ بہ نہیں کہا جاتا۔ یقرأ، یتلی، یکتب، یحفظ جیسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ لفظنا بالقرآن ایک قوم نے کہا ہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ وہ اس کو مخلوق کہنے کے قول و بدعت کو مزین بناتے ہیں جو ان کی مراد سے ناواقف ہے اس پر تدلیس کرتے ہیں۔ جب ہمیں ان کی مراد کا علم ہوا ہم نے ان پر نکیر کی، یہ بھی جائز نہیں کہ کہا جائے قرآن میں سے کچھ مخلوق ہے، کیونکہ مکمل قرآن غیر مخلوق ہے۔

۷:...... اگر کوئی کہے کہ کیا اللہ نے فرمایا نہیں: ﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الانبیاء:۲) ”جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آتی ہے اسے سن تو لیتے ہیں مگر کھیل کود میں پڑے رہتے ہیں۔“ اس سے کہا جائے گا: جو ذکر اللہ نے مراد لیا ہے وہ قرآن نہیں بلکہ آپ ﷺ کا کلام و وعظ مراد ہے۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا: ﴿وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الذاریات:۵۵) اور فرمایا: ﴿ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا﴾ (الطلاق:۱۰۔ ۱۱) اللہ نے رسول کو ذکر کا نام دیا۔ اور رسول محدث ہے، اللہ نے ویسے بھی فرمایا ہے: ﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الانبیاء:۲) ”جب بھی ان کے پاس ان کے رب

⇦ حفاظت کے لیے اس ذو معنی کلمہ کو کہنے ہی سے منع کر دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے جو یہ منسوب ہے کہ انھوں نے لفظی بالقرآن مخلوق کہا۔ تو اس کی خود امام بخاری نے نفی کی ہے، جیسا کہ تاریخ بغداد وغیرہ میں ثابت ہے۔ امام بخاری نے یہ کہا تھا کہ ہمارا عمل مخلوق ہے۔ اسی مسئلہ کی وجہ سے امام بخاری اور دیگر شیوخ میں چپقلش ہوگئی اور امام بخاری نے ”خلق افعال العباد“ کتاب لکھی۔

کی طرف سے نصیحت آتی ہے تو اسے سن تو لیتے ہیں مگر کھیل میں پڑے رہتے ہیں۔'' یعنی یہ کہا ہے کہ جو محدث ذکر ان کے پاس آتا ہے تو وہ اس کو اس حال میں سنتے ہیں کہ کھیل رہے ہوتے ہیں یہ نہیں کہا کہ ان کے پاس جو ذکر آئے وہ محدث ہی ہوتا ہے۔ اور جب یہ نہیں کہا تو یہ بھی واجب نہ ہوا کہ قرآن محدث ہو۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ ان کے پاس تمیم کا کوئی آدمی نہیں آتا جو ان کو حق کی دعوت دے مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ تو اس قول سے یہ واجب نہیں آئے گا کہ ان کے پاس جو بھی آئے وہ تمیمی ہی ہوتا ہے۔ جس مسئلہ کے متعلق انھوں نے ہم سے سوال کیا ہے اس میں بھی یہی معاملہ ہے (کہ اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا تا کہ ان کے پاس جو بھی ذکر آئے وہ محدث ہی ہوتا ہے)

۸:...... اگر وہ ہم سے ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ (الزمر:۲۸) آیت کے متعلق سوال کریں تو ان سے کہا جائے گا: اللہ عزوجل نے قرآن کو نازل کیا ہے یہ مخلوق نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ (الحديد:۲۵) ''اور ہم نے لوہا بھی نازل کیا جس میں بڑا زور ہے'' اور لوہا تو مخلوق ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ لوہا فناء قبول کرنے والا جسم ہے۔ قرآن منزل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ فناء کو قبول کرنے والا جسم ہو۔ اسی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کے منزل ہونے کی وجہ سے وہ مخلوق بھی ہو اگر لوہا مخلوق ہے تو۔

۹:...... ان سے کہا جائے گا: اللہ نے ہمیں کلام کی پناہ پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ سنو! وہ غیر مخلوق ہے۔ اللہ نے ہمیں اپنے مکمل کلمات کے تعوذ کا حکم دیا ہے۔ [1] اور ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم کسی بھی مخلوق کی پناہ طلب نہ کریں۔ جب کہ کلام اللہ کی پناہ کا حکم دیا ہے پس واجب ٹھہرا کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔

[1] مسلم: ۲۷۰۹، ترمذی: ۳۴۳۳، احمد: ٦/٤٠٩، ۳۷۸، ۳۷۷

باب 7

استواء علی العرش ❶

ا:..... اگر کوئی استواء کے متعلق ہمارا موقف پوچھے تو کہا جائے گا! ہم کہتے ہیں اللہ عزوجل اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طٰهٰ:٥) ''رحمن جو عرش پر بلند ہوا'' اور فرمایا: ﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾ (فاطر:١٠) ''پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں'' اور فرمایا: ﴿ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾ (النساء:١٥٨) اور فرمایا: ﴿ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ ﴾ (السجدہ:٥) ''وہی آسمان سے زمین تک کے انتظام کی تدبیر کرتا ہے پھر وہ اس کی طرف چڑھتے ہیں'' اور فرعون سے حکایت کیا: ﴿ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ﴾ (غافر:٣٦۔ ٣٧) ''اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں جو آسمان کے راستے ہیں پھر موسیٰ کے الہ کی طرف جھانک سکوں اور میں اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔'' فرعون لعین نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات جھٹلائی کہ اللہ آسمانوں کے اوپر ہے اور فرمایا: ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ ﴾ (الملك:١٦) کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔

---

❶ استواء کے لغت میں جب یہ علی کے صلہ سے ہو چار معنی ہیں: استقر، صعد، ارتفع، اور علا۔ دیکھیے (النونیہ لابن القیم:١/٢١٥) قعد استوی علی شیء کے معنی میں شامل نہیں، اس لیے اس صفت سے صفت قعود وجلوس کا اثبات محل نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے پر اس کی کیفیت ہم اللہ ہی کے سپرد کرتے ہیں جیسا کہ امام مالک نے کہا: الاستواء معلوم والكيف مجهول والسوال عنه بدعة والايمان به واجب۔ (ملخصا من تعليقات العصيمي)

عرش آسمانوں کے اوپر ہے:

۲:...... عرش چوں کہ آسمانوں کے اوپر ہے اس لیے فرمایا: ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ (الملك:١٦) کیونکہ وہ عرش پر مستوی ہے جو آسمانوں کے اوپر ہے، اور جو بھی بلند ہو وہ آسمان ہے۔ پس عرش آسمانوں کا سب سے بلند حصہ ہے۔ مَّنْ فِي السَّمَآءِ سے جمیع آسمان مراد نہیں بلکہ وہ عرش مراد ہے جو آسمانوں سے اوپر ہے۔

۳:...... دیکھتے نہیں اللہ نے آسمانوں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا﴾ (نوح:١٦) ''اور اس نے ان میں چاند کو روشن بنایا'' اس سے اللہ نے یہ مراد نہیں لیا کہ چاند ان سب میں ہے، اتنا بڑا ہے کہ ان سب کو اپنے آپ سے پُر کر دیتا ہے۔

۴:...... ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دعا کے وقت اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں کیونکہ اللہ عز وجل عرش پر مستوی ہے جو آسمانوں کے اوپر ہے۔ اگر وہ عرش پر نہ ہوتا تو لوگ عرش کی طرف ہاتھ بلند نہ کرتے جس طرح وہ دعا کے وقت زمین کی طرف ہاتھوں کو نیچا نہیں کرتے۔ ❶

۵:...... معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ میں سے کہنے والوں نے کہا ہے کہ استویٰ کا معنی ہے استولی یعنی وہ مالک ہوا اور غالب ہوا۔ اور اللہ عزوجل ہر جگہ ہے۔ ان لوگوں نے اھل حق کے بر خلاف اس بات کا انکار کیا ہے کہ اللہ عرش پر ہو۔ بلکہ استواء کو انھوں نے قدرت کی طرف پھیر دیا ہے۔

۶:...... اگر بات ایسے ہی ہوتی جیسا انھوں نے ذکر کیا ہے تو عرش اور ساتوں زمین میں فرق نہ ہوتا۔ کیوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ زمین اور حشوش اور جو کچھ جہان میں ہے اس سب پر قادر ہے۔

---

❶ ابو العلاء الهمذانی نے اس دلیل سے ابو المعالی الجوینی کا رد کیا ہے اور وہ فرمانے لگے کہ مجھے ھمذانی نے حیران کر دیا کہ واقعی جب ہم دعا مانگتے ہیں تو ہمارے ہاتھ آسمان کی طرف ہی اٹھتے ہیں۔ اشاعرہ کا آسمان کو محض قبلہ بنانا باطل ہے کیونکہ قبلہ طبع سے معلوم نہیں ہوتا، جبکہ دعا کے لیے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا انسانوں کی فطرت میں ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾

۷:...... اگر عرش پر استوی کا معنی یہ ہوتا کہ وہ عرش پر مستولی (غالب) ہے جب کہ اللہ تمام اشیاء پر غالب ہے تو اس صورت میں وہ عرش آسمان، زمین، حشوش، اقذار اور افراد وغیرہ سب پر مستوی ہوتا کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے باوجود جب کسی مسلمان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ کہا جائے وہ حشوش داخلیہ پر مستوی ہے۔ اللہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

اور جب یہ کسی مسلمان کے ہاں جائز نہیں تو یہ بھی جائز نہ ہوا کہ استواء بمعنی استیلاء جو کہ ہر چیز کو شامل ہے عرش سے خاص ہو۔ اسی لیے واجب ہے کہ استواء (لا بمعنی الاستیلاء) تمام اشیاء کے سوا عرش سے خاص ہے۔ ❶

۸:...... معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ کا یہ موقف ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے۔ اس سے ان کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ مریم کے پیٹ میں اور حشوش داخلیہ میں بھی ہے۔ اور یہ دین کے خلاف ہے۔ تعالیٰ اللہ عن قومهم علوا كبيرا۔

۹:...... ان لوگوں سے کہا جائے گا: اہل علم اور ناقلین آثار و اخبار کے مطابق تو وہ عرش پر مستوی ہے اور استواء کا ایک مخصوص معنی ہے جو کہ عرش سے خاص ہے۔ لیکن اس کے بر خلاف اگر وہ ایسے نہیں اور ہر جگہ ہے تو پھر وہ زمین کے نیچے ہوا، زمین اس کے اوپر ہوئی اور زمین کے اوپر آسمان۔ اس سے تمھیں یہ لازم آتا ہے کہ تم کہو اللہ سب سے نیچے ہے اور اشیاء اس کے اوپر اور وہ سب سے اوپر بھی ہے اور اشیاء اس کے نیچے۔ اور اس سے یہ واجب آتا ہے کہ وہ اس چیز کے نیچے ہے جو اس کے اوپر ہے اور اس چیز کے اوپر ہے جو اس کے نیچے ہے۔ حالاں کہ یہ محال مناقض ہے۔ اللہ تمھارے افتراء سے بہت بلند و برتر ہے۔

۱۰:...... جو ادلہ اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ اللہ باقی اشیاء کے علاوہ صرف عرش پر مستوی ہے۔ ان ادلہ میں سے وہ روایات بھی ہیں جن کو رواۃ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

۱۱: عفان از حماد بن سلمہ از عمرو بن دینار از نافع بن جبیر از جبیر از نبی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

❶ حافظ ابن کثیر نے جہمیہ کا اچھا خاصا رد کیا اور ان کے سوالات کا مدلل رد کیا۔ دیکھیے البدایہ: ۹/۲۶۲

((ينزل الله كل ليلة الیٰ السماء الدنيا، فيقول: هل من سائل فاعطيه، هل من مستغفر فاغفر له، حتى يطلع الفجر))[1]

”اللہ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرما کر کہتے ہیں: کیا کوئی سائل ہے کہ میں اسے دوں کیا کوئی بخشش کا طالب ہے کہ میں اسے بخش دوں حتی کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔“

۱۲:...... عبداللہ بکر از ھشام بن ابی عبداللہ از یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی جعفر از ابو ھریرہ از نبی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اذابقى ثلث الليل ينزل الله تبارك وتعالیٰ، يقول: من ذا الذى يد عونى فاستجيب له؟ من ذا الذى يستكشف الضر فاكشفه عنه؟ من ذا الذى يسترزقنى فارزقه حتى ينفجر الفجر))[2]

۱۳:...... عبداللہ بن بکر سہمی از ھشام بن ابو عبداللہ از یحییٰ بن ابی کثیر از ھلال بن ابی میمونہ از عطا بن یسار از رفاعہ جہنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ واپس لوٹ رہے تھے حتی کہ کدید یا قدید جگہ پر پہنچے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا:

((اذا مض ثلث الليل۔ او قال:ثلثا الليل۔ نزل الله عزوجل الى السماء فيقول :من ذاالذى يد عو نى استجيب له ؟من ذا الذى يستغفرنى اغفرله؟من ذاالذى يسالنى اعطيه؟حتى

---

[1] صحيح۔ مسند احمد:۱۶۷٤۵،سنن الدارمى:۱/۳٤۷،التوحيد لابن خزيمه: ۱/۳۱۵. ابن ماجه :۱۳٦۷،الشريعه:۳۱۱،۳۱۰۔وقال الالبانى:اسناده صحيح رجاله ثقات۔(الارواء:٤۵۰) امام ذہبی نے کہا: مسئلہ استواء اور نزول نصوص کی صحت کے لحاظ سے سلف کی ایک خلق نے بیان ہوا ہے انھوں نے اس کا تعرض نہیں کیا اور نہ تاویل بلکہ جن لوگوں نے تاویل کی یا مودل لوگوں سے اتفاق کیا انھوں نے ان کا انکار کیا۔ (سیرا علام النبلاء:۱۱/۳۷٦)

[2] صحيح: مسند احمد :۷۵۰۹،السنن الكبرى للنسائى:۱۰۲٤۱،مسند طيالسى: ۲۵۱٦

ينفجر الفجر)) ❶

۱۴:...... اللہ عزوجل کے عرش پر مستوی ہونے پر یہ ادلہ بھی ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ (النحل:٥٠) ''وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے'' اور فرمایا: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ﴾ (المعارج:٤) ''جس کی طرف روح اور فرشتے چڑھتے ہیں'' اور فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ﴾ (فصلت:١١) ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ اس وقت دھواں تھا'' اور فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ (الفرقان:٥٩) ''پھر عرش پر بلند ہوا، وہی رحمن ہے اس کا حال کسی باخبر سے پوچھ لیجیے'' اور فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ﴾ (السجدہ:٤) ''پھر عرش پر بلند ہوا اس کے سوا تمھارا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ سفارشی'' یہ سب اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں عرش پر ہے۔ اور باتفاق الناس آسمان زمین نہیں۔ سو اس میں دلیل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت میں منفرد عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے اپنی صفت بیان کی ہے۔

۱۵:...... اس مسئلہ پر یہ آیات بھی دال ہیں فرمایا: ﴿وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر:٢٢) ''اور آئے گا آپ کا رب اس حال میں کہ فرشتے صف بستہ ہونگے'' اور فرمایا: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ (البقرہ:٢١٠) ''یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں ان کے پاس آئے'' اور فرمایا:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿٩﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ؕ﴿١٠﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿١١﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿١٢﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿١٣﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ

---

❶ صحيح مسند احمد باختلاف يسير في الالفاظ:١٦٢١٥، المعجم الكبير :٥/٥٠، التوحيد لابن خزيمه:١/٣١٢.

[اس طرح کی بکثرت روایات امام صابونی نے اپنی کتاب عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث میں جمع کردی ہیں جو سلفی ریسرچ انسٹیٹیوٹ برمنگھم، لاہور کی طرف سے اردو ترجمہ، تحقیق اور شرح کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔]

الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿١٥﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾ (النجم:٨۔ ١٨) ''پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور آگے بڑھا پھر دو کمانوں کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کرنا تھی۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا دل نے اسے جھٹلایا نہیں اب کیا تم جھگڑا کرتے ہو جو انھوں نے دیکھا ہے؟ اور ایک مرتبہ اور بھی انھوں نے اس کو دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے پاس یہی جنت الماوٰی ہے جبکہ اس بیری پر وہ چھا رہا تھا جو (نور) چھا رہا تھا نہ (اس کی) نظر چندھیائی اور نہ آگے نکل گئی بلاشبہ اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''

١٦:...... اللہ عزوجل نے عیسیٰ بن مریم سے فرمایا: ﴿اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ (آل عمران:٥٥) ''بیشک میں تجھے پورا لینے والا ہوں [1] اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں'' اور فرمایا: ﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ (النساء:١٠٧۔ ١٠٨) ''اور یقیناً وہ انہیں قتل نہیں کر سکے تھے بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا تھا''

١٧:...... امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا ہے۔

١٨:...... تمام اہل اسلام کوئی مسئلہ درپیش ہونے کی صورت میں جب اللہ کی طرف راغب ہوں تو کہتے ہیں: یا ساکن العرش۔ اسی طرح اہل اسلام کی قسموں میں سے ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''والذی احتجب بسبع سموات۔

١٩:...... مسئلہ استواء سے متعلق ایک یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ مَا

---

[1] [اَلْمُتَوَفِّي کا مصدر توفی اور مادہ وف ی ہے جس کا اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اسی لیے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لیے جاتے ہیں اس اعتبار سے موت کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے موت ایک صورت ہے۔ نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیے جاتے ہیں اس لیے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کا حقیقی اور اصل معنی پورا پورا لینے کے ہی ہیں۔ متوفیک میں یہ اسی اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی اے عیسیٰ! میں تجھے یہودیوں کی سازش سے بچا کر پورا پورا اپنی طرف آسمانوں پر اٹھا لوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر احسن البیان ص:١٢٦)]

كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾ (الشوریٰ:۵۱) یہ آیت صرف بشر سے خاص ہے غیر جنس بشر کو شامل نہیں۔ اگر آیت بشر اور غیر بشر کو عام ہوتی تو یوں کہنا شبہ سے اور سننے والے پر شک داخل ہونے کو زیادہ دور کرنے والی ہوتی۔ یوں کہنا تا کہ شک اور حیرت رفع ہوجاتی۔ کہ کہتا: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا﴾ جب کہ اللہ نے تمام اجناس کو آیت میں شامل نہیں کیا پس اس میں دلیل ہے کہ اس میں صرف بشر کو ہی خاص کیا ہے۔ [1]

۲۰:...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ (الانعام:۶۲) پھر انھیں اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے جو ان کا مالک ہے۔ اور فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ (الانعام:۳۰) ''اور کاش آپ دیکھیں جب انھیں اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا'' اور فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (السجدۃ: ۱۲) کاش آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور فرمایا: ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ (الکھف:۴۸) ''اور وہ اپنے رب کے حضور صف بستہ پیش کیے جائیں گے'' یہ تمام آیتیں اس پر دال ہیں کہ وہ مخلوق میں نہیں اور نہ مخلوق اس میں ہے۔ بلکہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ ان جہمیہ نے اس کی صفت بیان کرنے میں نہ تو کوئی حقیقت ثابت کی ہے اور نہ اس کا ذکر کر کے اس کے لیے وحدانیت کو واجب کیا ہے۔ ان کے تمام کلام کا مآل تعطیل ہے۔ ان کا وصف بیان کرنا اس نفی پر دلالت کرتا ہے جس کو یہ تنزیہ نفی تشبیہ گمان کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے ایسی تنزیہ

---

[1] جو لوگ اللہ کو عرش پر نہیں مانتے اور دیدار کی نفی کرتے ہیں ان کے نزدیک اللہ کو کوئی مخلوق نہیں دیکھتی۔ امام اشعری یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اگر اللہ کو کوئی بھی مخلوق دیکھ نہیں سکتی اور وہ کسی مخصوص جگہ پر نہیں کہ اس جگہ کی چیزیں اسے دیکھ سکیں تو پھر آیت کو بشر سے خاص کرنے کی بجائے تمام اجناس کو شامل کیا جاتا تا کہ سننے والا شک میں نہ رہے۔ لیکن آیت بشر کو خاص ہے اس سے علم ہوا کہ اللہ عرش پر ہے اور اس کو بعض مخلوقات دیکھتی ہیں اور اس کا منفصل حجاب ہے۔ افادہ شیخ الاسلام کما ذکرہ العصیمی

سے پناہ مانگتے ہیں جو نفی و تعلیل کو واجب کرے۔

۲۱:...... اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور بھی رکھا ہے فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (النور:۱۵)امت کے نزدیک نور دو معنوں سے خالی نہیں یا تو نور مسموع ہوگا یا مرئی۔ پس جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ سنا جاتا ہے دیکھا نہیں تو اس شخص نے رب کی رویت کی نفی کو روایت کرنے میں کتاب اللہ اور قول مصطفی ﷺ کو جھٹلانے میں خطا کی۔

۲۲:...... علماء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی مخلوق میں تفکر کرو نہ کہ اللہ کی ذات میں بلاشبہ اس کی کرسی اور آسمان میں ایک ہزار سال کی مسافت ہے اور اللہ اس سے بھی اوپر ہے'' [1]

۲۳:...... علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ((ان العبد لاتزول قدماه من بين يدى الله عز وجل حتى يسأل عن عمله)) [2]

۲۴:...... علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سیاہ لونڈی لے کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں ایک کفارہ کی غرض سے اس کو آزاد کرنا چاہتا ہوں کیا اس کو آزاد کرنا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ کہنے لگی آسمان میں۔

آپ ﷺ نے پوچھا میں کون ہوں؟ کہنے لگی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ یہ مومنہ ہے اس کو آزاد کردو۔ [3]

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ آسمان کے اوپر عرش پر ہے۔

---

[1] حسن۔ العظمة :۱/۲۱۲،الابانة الكبرى:۳/۳۱۵، الاسماء والصفات للبيهقى ص:۴۲۰، ایک روایت ضعیف ہے دیکھیں الضعيفة للالبانى:۱۷۸۳ اور عبداللہ بن سلام کی مرفوع حدیث شواہد کے ساتھ حسن ہے۔

[2] صحیح۔ ترمذی: ۲۴۱۸، مسند ابی یعلی:۷۴۳۴، اقتضاء العلم والعمل:۱، صحيح الجامع :۷۱۷۷،۷۱۷۶

[3] مسلم :۵۳۷.

باب 8

چہرہ، دو آنکھیں، بصر اور دو ہاتھوں کا تذکرہ

۱:...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (القصص:۸۸) ''اس کے چہرے کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے''۔ اور فرمایا: ﴿وَ يَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن:۲۷) اور تیرے رب کا چہرہ جو جلال و اکرام والا ہے باقی رہے گا۔ ان آیات میں اللہ نے بتایا ہے کہ اس کا چہرہ بھی ہے جو کہ ہلاک نہیں ہوگا۔

۲:...... اور فرمایا: ﴿تَجْرِيْ بِأَعْيُنِنَا﴾ (القمر:۱٤) ''جو ہماری آنکھوں کے سامنے چلی تھی'' اور فرمایا: ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا﴾ (هود:۳۷) ان آیات میں اس نے اپنے چہرے اور آنکھ کی خبر دی ہے جن کی نہ تو کیفیت بیان کی جائے گی نہ حد۔

۳:...... اور فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور:٤٨) اور اپنے رب کا حکم آنے تک صبر کیجیے بلاشبہ آپ ہماری نظر میں ہیں اور فرمایا: ﴿وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ (طه:۳۹) ''اور اسی لیے کہ میری نگرانی میں تمھاری تربیت ہو'' اور فرمایا: ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (النساء:۱۳٤) اور اللہ تعالیٰ سنتے دیکھنے والا ہے

۴:...... موسیٰ و ھارون علیہما السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّنِيْ مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَ أَرٰى﴾ (طه:٤٦) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سمع و بصر اور رویت کی خبر دی ہے۔

۵:...... اللہ کے کہے کے برخلاف جہمیہ نے اس بات کی نفی کی ہے کہ اس کا چہرہ، سمع و بصر اور عین ہو انھوں نے نصاریٰ کی موافقت کی ہے کیوں کہ نصاریٰ بھی اللہ کو سمیع و بصیر اور عالم کے معنی ہی میں مانتے ہیں۔ اسی طرح جہمیہ کہتے ہیں: اللہ عالم ہے لیکن سمیع و بصیر کو بھی عالم ہی کے معنی میں کہتے ہیں (الگ صفت نہیں بتاتے) اسی طرح نصاریٰ کا قول ہے۔

فصل

۶:...... جہمیہ کا کہنا ہے کہ اللہ کا نہ تو علم ہے نہ قدرت، نہ سمع اور نہ ہی بصر۔ ان لوگوں نے درحقیقت تعطیل توحید اور اسماء اللہ کی تکذیب کا قصد کیا ہے۔ لفظ تو انھوں نے باقی رکھے ہیں ان کے معانی کا اثبات نہیں کیا۔ اگر یہ لوگ تلوار سے ڈرتے نہ ہوتے تو واشگاف الفاظ میں صراحت کر دیتے کہ اللہ سمیع و بصیر اور عالم نہیں۔ لیکن تلوار کا خوف انھیں زندیقیت کے اظہار سے مانع ہے۔

۷:...... ان کے کبار شیوخ میں سے ایک شیخ کا گمان ہے کہ اللہ کا علم خود اللہ ہے۔ اور اللہ علم ہے۔ اس شخص نے وہم تو یہ دلایا ہے کہ اس نے علم کو ثابت کیا ہے حالاں کہ علم کی نفی کی ہے۔ اس شخص کو یہ الزام دیا گیا کہ تمھارے قول کے مطابق جب اللہ ہی علم ہے اور قدرت ہے تو کہو کہ اے علم مجھے بخش دے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلك علوا كبيرا۔

ہم اللہ سے ہدایت و کفایت کے سائل ہیں و لا حول ولا قوة الا باللہ وهو المستعان

اما بعد!

۸:...... جس نے ہم سے سوال کیا کہ کیا تم مانتے ہو کہ اللہ کا چہرہ ہے؟ تو اس سے کہا جائے گا: مبتدعہ کے برخلاف ہم یہ کہتے ہیں۔ اور یہ آیت ہمارے اس موقف پر دلیل ہے: ﴿وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ﴾ (الرحمن: ۲۷) ''فقط آپ کے رب کی ذات ہی باقی رہ جائے گی جو عزت اور بزرگی والا ہے۔''

۹:...... اگر کوئی اللہ کے دو ہاتھوں کے متعلق پوچھے تو اس کو ہم کہیں گے ہم ہاتھوں کا اقرار کرتے ہیں اور اس پر یہ آیت دلیل ہے ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ (الفتح: ۱۰) ''ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے'' اور یہ آیت بھی: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (ص: ۷۵)

۱۰:...... نبی ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی کمر پر اپنا ہاتھ پھیر کر آدم

سے ان کی اولاد کو نکالا۔ ❶

پس ثابت ہوا کہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں۔

۱۱:...... نبی ﷺ سے منقول خبر میں ہے کہ

((ان الله خلق آدم بيده ،وخلق جنته عدن بيده ،وكتب التوراة بيده وغرس شجرة طوبى بيده))❷

''اللہ نے آدم کو، جنت عدن کو، اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنے ہاتھے سے تورات لکھی اور اپنے ہاتھ سے طوبیٰ درخت لگایا''

۱۲:...... اللہ نے فرمایا: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدہ:٦٤) ''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں''

۱۳:...... آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((كلتا يداه يمين)) ''اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں'' ❸

۱۴:...... اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ﴾ (الحاقۃ:٤٥) ''تو البتہ ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے''

۱۵:...... جن سے خطاب کیا گیا ہے ان کی عادت کے مطابق اور عرب کی زبان کے مطابق یہ جائز نہیں کہ آدمی کہے میں نے اپنے ہاتھ سے فلاں کام کیا اور مراد نعمت لے۔

۱۶:...... اللہ عزوجل نے عرب سے ان کی زبان اور ان کے کلام وخطاب میں معقول و مفہوم طریقہ سے خطاب کیا ہے اس لیے یہ بات باطل ہوئی کہ '' بِيَدَيَّ '' کا معنی نعمت ہو۔

❶ حسن۔ الحديث بهذااللفظ لم اجده ولكن وجدت قريبا من هذا اللفظ ابوداود: ۳۷۰۳، ترمذی: ۳۰۷۵۔ نیز دیکھیں صحیح ابن حبان: ۱۸۰۴، مستدرك حاكم: ۲/ ۳۲٤۔ ۳۲٥، الطبری: ۱٥۳٥۷

❷ صحیح موقوف على ابن عمر الصفات: ۲۸، العظمه ٥/ ۱٥٥٥.

❸ مسلم: ۱۸۲۷۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین ہیں، شمال کوئی نہیں۔ یہی بات راجح ہے۔ بعض روایات میں: يطوى الارض بشماله۔ (مسلم: ۲۷۸۸) کے الفاظ ہیں یاد رہے کہ یہ شاذ ہیں۔

اور اس لیے بھی کہ یہ جائز نہیں کوئی کہے میرے اس پر دو ہاتھ ہیں اور مراد یہ لے کہ میری اس پر دو نعمتیں ہیں۔ اور جو اس مسئلہ میں اہل زبان سے رجوع نہ کرے اور ہماری اس بات کی تردید کرے تو اس نے (گویا) ید کے نعمت کے معنی میں ہونے کی نفی کر دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف لغت کے اعتبار ہی سے وہ ید کو نعمت کے معنی میں لینے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ تو جب وہ لغت کو رد کر دے گا تو اس کو یہ لازم آئے گا کہ وہ لغت سے حجت نہ پکڑے اور نہ ہی لغت سے تفسیر قرآن کرے۔ اور نہ ہی لغت کے ذریعے ید کو نعمت معنی میں ثابت کرے۔ لغت کو رد کر کے خود ہی اپنی بات کی وہ تردید اس لیے بھی کر دے گا کہ ید کی نعمت سے تفسیر کرنے میں اگر وہ اجماع کی طرف آئے گا تو مسلمان اس کے دعویٰ پر متفق نہیں۔ لغت کی طرف آیا تو لغت میں ”بیدی“ کہہ کر نعمت مراد لینا ہے ہی نہیں۔ اگر کسی تیسری چیز کی طرف آیا تو اس کے متعلق ہم اس سے سوال کریں گے اور ہرگز بھی اللہ اس کے لیے تیسری چیز کی طرف راستہ نہ بنائے گا۔

۱۷:...... اہل بدعت سے پوچھا جائے تم نے ”بیدی“ کو ”نعمت“ کے معنی میں کیوں لیا۔ اجماع کی وجہ سے یا لغت کی وجہ سے۔ نہ تو وہ یہ بات لغت میں پائیں گے نہ ہی اجماع میں۔ اگر کہیں: قیاس سے دلیل لی ہے، تو کہا جائے گا قیاس میں تم نے کہاں پالیا ہے کہ ”بیدی“ کا معنی نعمت ہی ہے؟ اور عقل کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ جان لے فلاں کی تفسیر ایسے ایسے ہے۔ جب کہ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ (ابراھیم:٤) اور فرمایا: ﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (النحل:١٠٣) اور فرمایا: ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾ (الزخرف:٣) ”ہم نے قرآن کو عربی زبان بنایا ہے“ اور فرمایا: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ﴾ (النساء:٨٢) ”کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا“

اگر قرآن غیر عربی میں ہوتا تو اس کو سن کر اس کے معانی پہچاننا اور اس میں تدبر کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوتا۔ جب عربی زبان کو اچھی طرح نہ جاننے والا اس کو اچھی طرح نہیں

پڑھ سکتا اور عرب سن کر پہچان لیتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ عرب اس لیے اس کو جانتے ہیں کیوں وہ ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اور جہمیہ نے دعویٰ کیا ہے وہ اہل عرب کی زبان میں موجود نہیں۔

۱۸:...... کسی نے ﴿ وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ﴾ (الذاریات:٤٧) ''اور آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا'' سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ اور کہا ہے کہ ایدی کا معنی ہے قوت اس لیے واجب ہوا کہ بیدی کا معنی قدرتی ہو! اس کو کہا جائے گا کہ یہ تاویل بوجود فاسد ہے:

الف:...... ایدی ید کی جمع نہیں۔

اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (ص:٧٥) اس سے یہ باطل ٹھہرتا ہے کہ اس کا معنی بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ہو۔

ب:...... اگر قدرت کا معنی یہاں مراد ہوتا تو بیدی کا مطلب ہونا تھا جس کو میں نے اپنی دو قدرتوں سے پیدا کیا۔ جب کہ یہ معنی ہمارے مخالفین کے اپنے قول کے مخالف ہے۔ کیوں کہ وہ صرف ایک قدرت کا اثبات کرتے ہیں یہاں دو کا کیسے کریں گے۔

ج:...... گر اللہ نے قدرت ہی مراد لی ہوتی تو اس میں آدم علیہ السلام کی ابلیس پر کیا مزیت تھی۔ اللہ عزوجل تو آدم کی فضیلت دکھانے چاہتے تھے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اگر ابلیس کو بھی اپنے ہاتھ ہی سے پیدا کر لیا جیسے آدم کو پیدا کیا تو پھر امتیاز کی کیا وجہ!

ابلیس اپنے رب کو کہتا مجھے بھی تو تو نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے جیسے تو نے آدم کو پیدا کیا ہے۔ اللہ عزوجل نے آدم کو ابلیس پر فضیلت دیئے اور آدم کو سجدہ نہ کرنے پر ابلیس کو سرزنش کرتے ہوئے جب یہ کہا ﴿ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (ص:٧٥) ''جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تو اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روک دیا'' تو اس سے یہ دلیل ملی کہ آیت کا معنی قدرت پس کیوں کہ اللہ نے تمام اشیاء ہی کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ نے اس آیت سے دو ہاتھوں کے اثبات کا ارادہ فرمایا اور ان سے پیدا کرنے میں ابلیس کو شریک نہ کیا۔

فصل

۱۹: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ کا معنی درج ذیل وجود سے خارج نہیں

(الف) دو ہاتھ سے مراد دو نعمتیں ہوں۔ (ب) دو جوارح مراد ہوں۔ (ج) دو قدرتیں مراد ہوں۔ (د) یا پھر یہ کہ اس سے مراد دو ہاتھوں کا اثبات ہو جو نہ تو دو نعمتیں ہیں نہ جوارح ہیں نہ قدرتیں اور نہ ہی ان کی صفت بیان کی جائے سوائے اس کے جو اللہ نے بیان کر دیا ہے۔

یہ جائز نہیں کہ اس کا معنی:

الف:...... دو نعمتیں ہوں۔ کیوں کہ اہل زبان کے نزدیک عملت بیدی کہہ کر نعمتیں مراد لینا جائز نہیں۔

ب:...... ہمارے اور مخالف کے نزدیک بالاتفاق یہ بھی جائز نہیں کہ جوارح مراد ہوں۔

ج:...... اور دو قدرتیں مراد لینا بھی ہمارے اور خصوم کے ہاں جائز نہیں۔

د:...... جب تینوں سابقہ اقسام باطل ہوئیں تو چوتھی ہی ثابت ہوئی کہ بیدی سے دو ہاتھ کا اثبات ہوتا ہے۔ جو نہ جارحہ ہیں نہ دو قدرتیں اور نہ دو نعمتیں۔ اور ان کی کوئی صفت بھی بیان نہیں کی جا سکتی الا کہ کہے جاتے تھے یہ دو ہاتھ ہاتھوں کی طرح نہیں۔ سابقہ تینوں وجوہ سے خارج ہیں۔

۲۰:...... اگر بِيَدَيَّ سے نعمتیں مراد ہوتا تو ہمارے مخالف کے مذہب کے مطابق آدم علیہ السلام کی ابلیس پر کوئی فضیلت نہ تھی۔ کیوں کہ ان کے مذہب کے مطابق جیسے اللہ نے ابلیس کی ابتداء کی ویسے ہی آدم کی کی۔ اور یہ دو نعمتیں درج ذیل وجوہ سے خارج نہ ہوں گی۔

الف:...... یا تو یہ آدم علیہ السلام کا بدن ہوں گی۔

ب:...... یا دو عرض ہوں گی جو بدن آدم علیہ السلام میں پیدا کی گئی۔

الف:...... اگر یہ عین بدن آدم تھی تو ابدان ہمارے مخالف معتزلہ کے نزدیک ایک ہی جنس ہے۔ اور یوں کہ ان کے نزدیک ابدان ایک ہی جنس ہیں اس لیے ابلیس کے جسد میں بھی وہ نعمت پیدا ہوں گی جو آدم علیہ السلام کے جسد میں ہوتی۔

ب:...... اسی طرح اگر عرض مراد لیں تو جس نے زندگی رنگ اور قوت وغیرہ آدم میں پیدا کی اسی طرح ابلیس کے بدن میں پیدا کی۔ اس سے یہ واجب ٹھہرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی ابلیس پر کچھ فضیلت نہیں۔ حالاں کہ اللہ نے ابلیس پر یہ احتجاج آدم کی فضیلت دکھانے کے لیے کیا ہے۔ پس اس میں ہماری دلیل ہے کہ بِيَدَيَّ بیدی سے مراد نعمتی مراد نہیں۔

۲۱:...... ان سے کہا جائے گا: بتاؤ بِيَدَيَّ سے ایسے دو ہاتھ مراد لینے کا انکار کیوں کرتے ہو جو نعمتی کے معنی میں نہ ہوں؟ اگر وہ کہیں اس لیے کہ جو ید نعمت نہ ہو وہ عضو ہوتی ہے۔ تو کہا جائے گا: تم نے یہ بات کیوں کی کہ ید نعمت نہ ہو تو عضو ہی ہوتی ہے؟ اگر وہ کہیں اس لیے کہ ہم مخلوق میں مشاہدہ اسی کا کرتے ہیں تو کہا جائے گا:

الف:...... اگر تم مشاہدہ کے مطابق اللہ کے حق میں کلام کرو تو پھر ہم مخلوق میں کوئی بھی زندہ نہیں دیکھتے مگر وہ جسم، گوشت اور خون والا ہوتا ہے تو اللہ کے متعلق بھی یہی کہو، وگرنہ تم اپنے قول کو ترک کرنے والے اور اپنے اعتدال کا نقض کرنے والے ہوگے۔

ب:...... اور اگر تم کہو کہ وہ زندہ ہے مگر باقی اصحاب کی طرح نہیں تو یہاں انکار کیوں کہ اس کہ وہ دو ہاتھ جس کے متعلق اس نے خبر دی ہے وہ نعمت اور عضو نہ ہوں باقی ہاتھوں کی طرح!

ج:...... اسی طرح ان سے کہا جائے گا: تم نے کوئی بھی مدبر حکیم نہیں دیکھا مگر وہ انسان ہوتا ہے۔

اس کے باوجود تم نے دنیا کے لیے ایک ایسے مدبر حکیم کا اثبات کیا ہے جو انسانوں کی طرح نہیں۔ تم نے یہاں مشاہدہ کے مخالف کیا ہے اور اپنی دلیل کو توڑا ہے۔ تو یہاں بھی یہ کہہ کر کہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے اس بات سے منع نہ کرو کہ اللہ کے دو ہاتھ ہوں جو نہ نعمت

ہو نہ جارحہ۔

۲۲:...... اگر وہ کہیں ﴿ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (ص:۷۵) سے تم نے دو ہاتھوں کا اثبات کیا ہے تو ﴿ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ ﴾ (یس:۷۱) سے زیادہ ہاتھوں کا اثبات کیوں نہیں کرتے؟

ان سے کہا جائے گا: دو سے زیادہ ہاتھوں کا اثبات کرنے والے کے قول کے بطلا ان پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور جب اجماع ہے تو واجب ہوا کہ اللہ نے ایدی کہہ کر یدین کا اثبات مراد کیا ہو۔ اجماع کی صحت پر دلیل بھی موجود ہے۔ اور اجماع صحیح ہے تو وہ واجب ہوا کہ ایدی سے یدین کی طرف پلٹ جائے۔ کیوں قرآن اپنے ظاہر پر ہے۔ ہم ظاہر سے اس کو دلیل کی بناء پر ہی پھیرتے ہیں ہم نے حجت پالی جس کی وساطت سے ہم نے ایدی کو ظاہر سے ایک دوسرے ظاہر کی طرف پھیرا۔ اور یہ بھی واجب ہوا کہ دوسرا ظاہر اپنے حقیقت پر ہے حتی کہ اس کو ظاہر سے پھیرنے والی کوئی حجت مل جائے۔

۲۳:...... اگر کوئی کہے: اللہ ایدی کہہ کر یدین مراد لیتا ہے تو اس کا انکار کیوں کرو گے کہ ایدی کہہ کر وہ ایک ہاتھ مراد لے؟ اس شخص سے کہا جائے گا:

الف:...... اللہ نے ایدی سے یدین ہی مراد لیے ہیں کیوں کہ زیادہ ہاتھ اور ایک ہاتھ کے قائلین کے قول کے بطلان پر اجماع ہے۔

ب:...... اس لیے ہم نے یدین کہا ہے کیوں کہ قرآن ظاہر پر ہے۔ الا کہ صارف عن الظاہر کوئی حجت و دلیل ہو۔

۲۴:...... اگر کوئی کہے: اس کا انکار کیوں کرو گے کہ ﴿ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ ﴾ اور ﴿ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ از ہوں۔ ❶

الف:...... اس سے کہا جائے گا: اللہ کے کلام کا حکم اپنے ظاہر و حقیقت پر ہے ظاہر سے مجاز کی طرف کسی حجت ہی سے جایا جا سکتا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ جب کلام کا ظاہر عموم ہو

❶ شیخ الاسلام، ابن القیم اور بعض دیگر علماء نے مجاز کا انکار کیا ہے۔ اس کے مقابل بعض لوگوں نے تمام لغت ہی کو مجاز قرار دیا ہے۔ جیسے ابن جنی ہے۔ دونوں قول ضعیف ہیں۔ لغت میں مجاز کئی ایک طرق سے ثابت ہے۔

اور مراد خاص ہو تو کلام اپنی ظاہر حقیقت پر نہیں ہوتا۔

ب:...... اور یہ جائز نہیں کہ جس کلام کا ظاہر عموم سے بغیر دلیل سے پھیرا جائے اسی طرح اللہ عز وجل کا قول ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ اثبات یدین میں اپنے ظاہر و حقیقت پر ہے۔ جس کا دعوی ہمارے مخالفین کر رہے ہیں اس کی طرف بغیر حجت کے عدول جائز نہیں۔

ج:...... اگر یہ جائز ہوتا تو مدعی کے لیے جائز ہوتا کہ وہ جس کلام کا ظاہر عموم ہے اس کے خاص ہونے کا دعوی کرے۔ اور جس کا ظاہر خاص ہے بغیر حجت کے اس کے عموم کا دعوی کرے۔ اور جب یہ بغیر حجت کے مدعی کے لیے جائز نہیں تو تمھارے لیے بھی بغیر حجت کے مجاز کا دعوی جائز نہیں۔

د:...... بلکہ واجب ہے کہ ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ اللہ کے لیے فی الحقیقت اثبات یدین ہو جو کہ غیر نعمتیں ہوں۔ کیوں کہ اہل زبان کے نزدیک فعلت بیدی کہہ کر نعمتیں مراد لینا جائز نہیں۔

باب 9

اللہ کا علم، قدرت اور اس کی تمام صفات کی نفی کرنے میں جہمیہ کا رد [1]

۱:...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَنزَلَهُۥ بِعِلۡمِهِۦ ﴾ (النساء:١٦٦) ''اپنے علم کی بناء پر اتارا ہے''۔

اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلۡمِهِۦ ﴾ (الفاطر:١١) ''جو بھی مادہ حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے پانچ جگہ اپنی کتاب میں علم کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: ﴿ فَإِلَّمۡ يَسۡتَجِيبُواْ لَكُمۡ فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَآ أُنزِلَ بِعِلۡمِ ٱللَّهِ ﴾ (ھود:١٤) ''پھر اگر تمھارے چیلنج کا جواب نہ دیں تو جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيۡءٖ مِّنۡ عِلۡمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (البقرہ:٢٥٥) ''یہ اللہ کے علم سے کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے مگر اتنا ہی جتنا وہ خود دے چاہے'' قوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ أَوَلَمۡ يَرَوۡاْ أَنَّ ٱللَّهَ ٱلَّذِي خَلَقَهُمۡ هُوَ أَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةٗ ﴾ (فصلت:١٥) ''کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ جس نے انھیں پیدا کیا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے'' اور فرمایا: ﴿ ذُو ٱلۡقُوَّةِ ٱلۡمَتِينُ ﴾ (الذاریات:٥٨) ''قوت والا زبردست ہے'' اور فرمایا: ﴿ وَٱلسَّمَآءَ بَنَيۡنَٰهَا بِأَيۡيْدٖ ﴾ (الذاریات:٤٧)

۲:...... جہمیہ کا گمان ہے کہ اللہ عز وجل کا نہ علم ہے، نہ قدرت، نہ حیات اور نہ ہی سمع اور بصر۔

ارادہ تو ان کا یہ تھا کہ اللہ کے عالم قادر، حی اور سمیع و بصیر ہونے کی نفی کریں مگر تلوار کے خوف نے اس نفی کے اظہار سے ان کو روکے رکھا۔ یہ لوگ لفظ کی نفی نہ کر سکے تو نفی کا معنی

---

[1] دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:٩٨_١٠٠، ٢٧٨_٢٧٩)

لے آئے اور کہا کہ نہ تو اللہ کا علم ہے نہ قدرت۔ اور اصل میں یہی قول ہے کہ اللہ نہ تو عالم ہے نہ قادر۔ یہ بات انھوں نے اصحاب زندقہ وتعطیل سے لی ہے۔ کیوں کہ زناقہ میں سے اکثر نے کہا ہے کہ اللہ نہ تو عالم ہے نہ قادر اور نہ ہی سمیع۔ معتزلہ یہ لفظ نہ بول سکے تو معنی لے آئے۔ اور صرف نام کی حد تک کہا کہ اللہ عالم قادر حیی سمیع وبصیر ہے۔ علم وقدرت اور سمع وبصر کی حقیقت ثابت نہ کی۔

۳:...... ان کے رؤساء میں سے ایک شخص ابو الھذیل علاف کہتا ہے کہ اللہ کا علم اللہ ہی ہے اس شخص نے اللہ عزوجل کو علم بنا دیا۔ اور اس پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ یہ بھی کہے: یا علم! اغفرلی وارحمنی۔ مگر یہ نہ مانا، نہ ماننے پر اسے تناقض لازم آیا۔

اللہ آپ (قارئین) پر رحم کرے یہ بھی جان لیں کہ جو کہے بغیر علم کے عالم ہے اس کو بھی تناقض لازم ہے۔ اسی طرح جس نے کہا: علم ہے اور عالم نہیں تو وہ بھی تناقض کا شکار ہوا۔ علم ہی کی طرح قدرت، قادر، حیاۃ، حیی، سمع وبصر اور سمیع وبصیر کا معاملہ ہے۔

۴:...... ان سے کہا جائے گا: بتاؤ جس نے گمان کیا کہ اللہ ہمیشہ سے آمر وناہی ہے اور متکلم وقائل ہے مگر نہ اس کا قول ہے نہ کلام اور نہ امر اور نہی۔ کیا یہ قول جملہ مسلمین سے خارج نہیں؟ جواب لیں ہاں کے بغیر کوئی چارہ نہیں پھر ان سے کہا جائے گا: اسی طرح اس کا قول بھی جملہ مسلمین سے خارج ہے جس نے کہا کہ اللہ عالم ہے مگر اس کا علم نہیں۔

۵:...... جہمیہ، معتزلہ اور حروریہ سے قبل مسلمانوں کا اسی پر اجماع تھا کہ اللہ ازل سے صفت علم سے متصف ہے۔ اور وہ کہتے تھے کہ اللہ کا علم ازل سے ہے۔ اللہ کا علم اشیاء میں سبقت لے جا چکا ہے اور جو بھی کسی کو حادثہ یا مصیبت آتی وہ کہتے کہ اللہ کو اس کا پہلے سے علم تھا۔ پس جس نے اللہ کے علم کا انکار کیا اس نے مسلمانوں کی مخالفت کی اور ان کے اجماع سے خروج کیا۔

۶:...... ان سے کہا جائے گا: اللہ مرید ہے تو کیا اس کا ارادہ ہے؟ اگر کہیں نہیں تو کہا جائے گا: پھر ایک ایسے قائل کا بھی اثبات کرو جس کا قول نہ ہوا۔ اگر یہ ارادہ کو ثابت مان

لیں تو کہا جائے گا مزید جب ارادہ کے بغیر نہیں ہوسکتا تو اس کا انکار کیوں؟ کہ عالم بھی بغیر علم کے نہیں ہوسکتا۔ اور اس کا انکار کیوں؟ کہ اللہ کا علم بھی ہو جیسے تم نے اس کے لیے ارادے کا اثبات کیا ہے۔

۷:...... انھوں نے علم اور کلام کے مابین فرق کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اللہ کے علم میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون دونوں تھے مگر کلام اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا، فرعون سے نہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکمت اور فصل خطاب سکھلایا، نبوت دی، اور فرعون کو یہ نہیں سکھلایا۔ اب اگر اللہ کا کلام اس لیے ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، فرعون سے نہیں تو علم بھی اسی طرح ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو سکھایا فرعون کو نہیں۔ مزید برآں ان سے کہا جائے گا: جب یہ واجب ہوا کہ اللہ کا کلام ہے جس سے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا فرعون سے نہ کیا تو اس کا انکار کیوں کہ جب اس نے ان دونوں کو جانا تو اس کا علم بھی ہوا۔ اس پر مستزاد اللہ نے تمام اشیاء سے کن کہہ کر کلام کیا، اور تم نے اللہ کے لیے قول کو ثابت کیا۔ اسی طرح اس نے تمام اشیاء کو جانا بھی ہے تو تم علم بھی ثابت کرو۔

۸:...... ان لوگوں سے کہا جائے گا: تم نے اللہ کے لیے کلام کو واجب کیا ہے علم کی نفی کی ہے کیونکہ کلام علم سے اخص ہے اور علم اس سے اعم تو پھر اللہ کی قدرت بھی مانوں، کیونکہ علم تو تمہارے ہاں قدرت سے بھی عام ہے۔ قدریہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کفر پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ پس یہ قدرت کو علم سے اخص ثابت کرتے ہیں۔ پس جو علم انہوں نے بیان کیا ہے اس کے مطابق ان کو چاہیے کہ اللہ کے لیے قدرت کا بھی اثبات کریں۔

۹:...... ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ عالم نہیں؟ اور عالم کا وصف متکلم و مکلم کے وصف سے عام ہے۔

۱۰:...... ان سے کہا جائے گا: تمہیں کیسے علم ہوا کہ اللہ عالم ہے؟ اگر وہ کہیں اس آیت سے ﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الشوریٰ:۱۲) "بلاشبہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے" تو کہا جائے گا:

الف:...... اسی طرح علم بھی ثابت کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ (النساء:١٦٦) اور فرمایا: ﴿ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ﴾ (فاطر:١١) جو بھی مادہ حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔

ب:...... اور اس فرمان کی وجہ سے قوت بھی ثابت کرو ﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴾ (فصلت:١٥) ''کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقت ور ہے'' اگر وہ کہیں کہ ہم نے اس کو عالم اس لیے کہا ہے کیونکہ اس جہاں کو اس نے بنایا ہے کہ اس میں حکمت کے آثار اور تدبیر کے اسباب ہیں تو کہا جائے گا: یہ کیوں نہیں کہتے کہ جہان میں حکم و تدبیر کے آثار ظاہر ہونے کی وجہ سے اللہ کا علم بھی ہے۔ کیونکہ حکمت (الف) صاحب علم ہی سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حکمت عالم ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ (ب) اسی طرح غیر ذی قوۃ سے بھی ظاہر نہیں ہو سکتی۔ (ج) اور غیر قادر سے بھی نہیں۔

١١:...... ان سے کہا جائے گا: جہالت کی بدولت جو تم نے اس کے علم کی نفی کی ہے تو اسماء کی کیوں نہیں کی؟ اگر کہیں کہ اسماء کی نفی کیسے کریں جبکہ اسماء قرآن میں ہیں تو کہا جائے گا: علم اور قدرت کی بھی نفی نہ کرو کیوں کہ وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں۔

١٢:...... ان سے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرائع، احکام، حلال وحرام سکھایا۔ اور یہ جائز نہیں کہ وہ ایسی چیزیں سکھلائے جو خود نہ جانتا ہو۔ تعالی اللہ عن قول الجهمیه علوا کبیرا۔

١٣:...... ان سے کہا جائے گا: کیا جب اللہ اور نبی کفار پر لعنت کرتے ہیں تو اس کا ایک معنیٰ ہوتا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہاں۔ پھر ان سے کہا جائے گا: اس کا انکار کیوں کہ اللہ نے اپنے نبی کو جب ایک چیز سکھائی اور انھوں نے جان لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی جان لی۔ اور جب ہم نے اس کو کفار پر غضب والا ثابت کیا تو غضب کے اثبات سے کوئی چارہ نہ ہوا۔ اسی

طرح جب مومنین سے رضا ثابت کیا تو رضا کے اثبات کے بغیر چارہ نہ ہوا۔ اسی طرح جب ہم نے حی اور سمیع وبصیر ثابت کیا تو حیوۃ اور سمع و بصر کے اثبات کے بغیر چارہ نہ ہوا۔

۱۴:...... ان سے کہا جائے گا: ہم نے (الف) عالم کے اسم کو علم سے اسبق پایا ہے۔ (ب) قادر کے اسم کو قدرت سے اسبق پایا ہے۔ (ج) حی کے اسم کو حیوۃ سے اسبق پایا ہے۔ (د) سمیع کو سمع سے اسبق پایا ہے۔ (ھ) اور بصیر کو بصر سے اسبق پایا ہے۔ اور اللہ کے اسماء تقلیب کے طریق پر یا معنی کے افادہ کے لیے مشتق ہونے سے خالی نہیں۔ اور یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ کو عالم قادر تقلیب کی صورت کہیں جس میں نہ تو افادہ معنی ہو اور نہ صفت سے مشتق ہو۔ اور جب ہم یہ کہتے ہیں تو یہ باجماع المسلمین تلقیب کے طریق پر نہیں ہوتے۔ اور جب تلقیب نہ ہوتے تو علم سے مشتق ہوئے۔ تو علم کا اثبات واجب ہوا۔ اور جب یہ اسماء افادہ معنی کے لیے ہیں تو پھر یہ اس سے مختلف نہیں ہو سکتے جس معنی کے افادہ کے لیے ہیں۔

اور جب یہ واجب ہوا کہ ہم میں عالم ذو علم ہی ہوتا تو واجب ہوا کہ ہر عالم ذو علم ہو۔ جیسے ''موجود'' کا لفظ بولنا اثبات کا فائدہ دیتا ہے تو باری تعالیٰ کا اثبات واجب ہوا کیوں کہ وہ بھی موجود ہے۔

۱۵:...... معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ سے کہا جائے گا: کیا اللہ کا ایسا علم ہے جو اشیاء میں سابق ہے اور اس کو حامل کے حمل جننے، ہر عورت کے حمل اور اتارنے والی چیز نے جو اتارا ہے اس کا علم ہے؟ اگر وہ ہاں کہیں تو انھوں نے علم کا اثبات کر دیا۔ (ب) اگر کہیں کہ نہیں تو کہا جائے گا تم نے اللہ کے ان فرامین کا انکار کیا ہے۔ ﴿ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ﴾ (النساء:١٦٦) اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ﴾ (فاطر:١١) ﴿ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ ﴾ (ھود:١٤) (ج) ﴿ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا ﴾ (الانعام: ٥٩) آیات جب یہ واجب کرتی ہیں کہ وہ علیم ہو، اشیاء کو جانتا ہو تو اس کا انکار کیوں کہ یہ آیات یہ بھی واجب کرتی ہوں کہ اللہ کے لیے علم بالاشیاء ہے۔

۱۶:......ان سے کہا جائے گا: کیا تم مانتے ہو کہ اللہ کو اپنے اولیاء واعداء میں فرق کا علم ہے اور وہ فرق کرنے کا مرید بھی ہے اور کیا جب وہ ایمان کا ارادہ کرے تو اس کے لیے ارادہ للایمان ہے؟ (الف) اگر کہیں ہاں تو ہمارے موافق ہو گئے (ب) اگر کہیں کہ جب ایمان کا ارادہ کرے تب اسی کا ارادہ ہوتا ہے تو کہا جائے گا: اسی طرح جب اس نے اپنے اولیاء واعداء میں فرق کیا تو لازمی ہوا کہ اس کو اس کا علم بھی ہے۔ (ج) یہ کیسے جائز ہے کہ مخلوق کو اس کا علم ہو اور خالق کو نہ ہو۔ اس سے تو یہ واجب آتا ہے کہ علم میں مخلوق کو خالق پر فضیلت حاصل ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلك علوا كبيرا۔

۱۷:......ان سے کہا جائے گا: مخلوق میں سے جس کو علم ہو وہ منزلت و رفعت کا اس سے زیادہ اولی ہوتا جس کو علم نہ ہو۔ اور تم نے گمان کیا ہے کہ اللہ کا علم نہیں۔ اس سے تمھیں یہ لازم آتا ہے کہ مخلوق خالق سے مرتبہ میں اعلی ہے۔ تعالى الله عن ذلك علوا كبيرا۔

۱۸:......ان سے کہا جائے گا: مخلوق میں جس کو علم نہ ہو اس سے جہل ونقصان کا الحاق ہوتا ہے۔ تو اس کا انکار کیوں کرو گے کہ اللہ کے لیے علم کا اثبات لازم ہے۔ نہیں تو اس سے نقصان کا الحاق ہوگا۔ جل وعز عن قولكم وعلا۔ تم دیکھتے نہیں کہ مخلوق میں سے جو جانتا نہیں اس سے جہل ونقصان کا الحاق ہوتا ہے۔ اور جن نے اللہ کے متعلق یہ کہا اس نے اللہ کا ایسا وصف بیان کیا جو اس کے لائق نہیں۔ اور جب مخلوق میں سے جس کو علم نہ ہوا اس سے جہل ونقصان کا الحاق ہوتا ہے تو واجب ہوا کہ علم کی اللہ سے نفی نہ کی جائے کیوں کہ اس سے جہل ونقصان کا الحاق نہیں ہوتا۔

۱۹:......ان سے پوچھا جائے گا: یہ جائز ہے کہ حکمت کی صفت کا اس شخص سے صدور ہو جو عالم نہ ہو؟ اگر وہ کہیں یہ محال ہے اور یہ حکمتیں جو ترتیب اور نظام کے مطابق چل رہی ہیں یہ صرف عالم قادر زندہ ہی سے صادر ہو سکتی ہیں۔ تو کہا جائے گا: اسی طرح یہ جائز نہیں کہ یہ حکمتیں جو ترتیب اور نظام کے مطابق جاری ہیں یہ کسی سے صادر ہوں الا کہ وہ ذی علم قدرت اور ذی حیات ہو۔ اگر ان کا ظہور کا غیر ذی علم سے جائز ہے تو پھر غیر عالم، غیر قادر

اور غیر حیی سے ان کے ظہور کے جواز کا انکار تم کیوں کرو گے۔ اور ہر وہ مسئلہ جو علم سے متعلق ان سے ہم نے پوچھا ہے وہ قدرت، حیات اور سمع وبصر کو بھی شامل ہے۔

۲۰:...... معتزلہ کا گمان ہے کہ اللہ کا فرمان (سمیع و بصیر) کا معنی علیم ہے ان سے کہا جائے گا اللہ کے فرامین ﴿مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ (طه:٤٦) اور فرمایا: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ (المجادله:١) ''اللہ نے یقیناً اس عورت کی بات سن لی ہے جو اپنے خاوند کے بارے میں (اے نبی) آپ سے جھگڑ رہی ہے'' کا معنی تمہارے نزدیک علم ہوا؟ اگر وہ کہیں ہاں تو کہا جائے گا: پھر یہ واجب ہوا کہ تم کہو: ﴿إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ (طه:٤٦) کا معنی ہے اعلم واعلم۔

۲۱:...... معتزلہ نے رب العالمین کی صفات کی نفی کی ہے۔ اور گمان کیا ہے کہ سمیع وبصیر علیم کے معنی میں ہے جیسا کہ نصاریٰ نے گمان کیا ہے کہ سمیع وبصیر اور اس کی بصر اس کا کلام ہے اور وہی اس کا علم ہے اور وہی اللہ ہے۔ تعالیٰ اللہ من ذلك علوا كبيرا۔

معتزلہ سے کہا جائے گا: تمھارے نزدیک جب سمیع وبصیر کا معنی عالم ہے تو تم نے یہ گمان کیوں نہیں کیا کہ وہ قادر بھی عالم کے معنی میں ہے اور تمہارے ہاں جب وہ حیی بمعنی قادر ہے تو یہ کیوں نہیں گمان کیا کہ وہ قادر بمعنی عالم ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اس سے واجب آتا ہے وہ معلوم مقدور ہو تو کہا جائے گا: اگر سمیع وبصیر کا معنی عالم ہو تو ہر معلوم مسموع بھی ہوا۔ اور جب یہ جائز نہیں تو تمھارا قول باطل ہوا۔

باب 10

صفتِ ارادہ کا بیان اور معتزلہ کا رد ❶

ا:...... ان سے کہا جائے گا: کیا تمھارا یہ دعویٰ نہیں کہ اللہ ازل سے عالم ہے؟ ان کا جواب ہوگا ہاں۔ ان سے کہا جائے گا: تو تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ جو کسی بھی وقت میں ازل سے عالم ہے وہ ازل سے اس وقت میں مرید بھی ہے؟ جو ازل سے عالم ہے کہ یہ نہیں ہوگا وہ ازل ہی سے اس کا مرید ہے کہ یہ نہ ہو۔ اور ازل ہی سے جو اس نے جانا ہے وہ اس کے جاننے کے مطابق ہو۔ اگر وہ کہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ ازل سے مرید ہے کیوں کہ اللہ مخلوق ارادہ کے ساتھ مرید ہے۔ تو کہا جائے گا: تم نے یہ گمان کیوں کیا اور تمھارے اور جہمیہ کے درمیان کیا فرق ہے کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ مخلوق علم کے ساتھ عالم ہے۔ اور جب یہ جائز نہیں کہ اللہ کا علم مخلوق ہو تو اس کا انکار کیوں کہ اس کا ارادہ بھی مخلوق نہ ہو۔

اگر وہ کہیں: یہ جائز نہیں کہ اللہ کا علم محدث ہو کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ محدث علم کسی اور علم سے محدث ہو اور وہ کسی اور سے اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ہو۔ ان سے کہا جائے گا: تو پھر اس بات کا انکار کیوں کہ اللہ کا ارادہ مخلوق محدث نہ ہو کیوں کہ اس سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ یہ ارادہ کسی اور محدث ارادہ سے ہو۔ وہ کسی اور سے اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ہو۔ اگر وہ کہیں: تم نے انکار کیوں کیا یہ جائز نہیں کہ اللہ کا علم محدث ہو کیوں کہ جو عالم نہ ہو بعد میں عالم ہو اس سے نقصان کا الحاق ہوتا ہے۔

تو ان سے کہا جائے گا: تو پھر یہ کیوں جائز نہیں کہ اللہ کا ارادہ محدث ومخلوق نہ ہو کیونکہ جو مرید نہ ہونے کے بعد مرید ہو اس سے نقصان کا الحاق ہوتا ہے۔ اور جس طرح یہ جائز نہیں کہ اس کا ارادہ محدث ومخلوق ہو اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اس کا کلام محدث ومخلوق ہو۔

❶ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص: ٦٠ـ١٠٥، ٦٥ـ١٠٨)

ان لوگوں سے کہا جائے گا: تمھارا یہ گمان ہے کہ اللہ کی سلطنت میں کفر و عصیان ہے جس کا اس نے ارادہ نہیں کیا۔ اس نے مخلوق کے ایمان کا ارادہ کیا مگر وہ نہ لائے۔ تمھارے اس گمان سے یہ واجب ٹھہرتا ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے اس میں سے اکثر وقوع نہیں ہوتا اور جس کے متعلق اللہ چاہتا ہے کہ وہ ہو اس میں سے اکثر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہ کفر جو موجود ہے اور تمھارے نزدیک وہ اللہ کی مشیت سے نہیں اس موجود ایمان سے کم ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ اس قول میں اس کا انکار ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل: ان لوگوں سے کہا جائے گا: تمھارے (بالا) قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابلیس جو چاہتا ہے اس میں سے اکثر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ کفر ایمان سے زیادہ ہے اور اکثر جو ہوتا ہے وہ اس کو چاہتا ہے۔

پس تم نے ابلیس کی مشیت کو رب العالمین کی مشیت سے زیادہ فائدہ ہونے والی مشیت بنا دی ہے۔ جل ثناء ہ و تقدست اسماء ہ۔ کیوں جو اس نے چاہا ہے وہ اکثر ہو گیا۔ اور جو ہوا اس میں سے اکثر شیطان کی مشیت تھی۔ اور اس میں اس کا ایجاب ہے کہ تم نے ابلیس کے لیے مشیت کے ایک ایسے مرتبے کا اثبات کیا ہے جو رب العالمین کے لیے بھی نہیں کیا۔ تعالیٰ اللہ عزوجل عن قول الظالمین علوا کبیرا۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا: صفت اقتدار کا لائق زیادہ کون ہے؟

(الف) کیا وہ ذات کہ جب وہ کسی کے وقوع کا ارادہ کرے تو ہو کر رہے اور جب ارادہ نہ کرے تو نہ ہو؟

(ب) یا وہ ذات جو ایسی چیز کے وقوع کا ارادہ کرتی ہے جو نہ ہوا اور وہ کچھ ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ بھی نہیں کرتا۔

اگر وہ کہیں: (الف) وہ ذات جس کے ارادہ میں سے اکثر نہیں ہوتا وہ زیادہ حقدار ہے تو یہ مکابرہ ہے۔ ان سے (اس صورت) میں کہا جائے گا: اگر یہ جائز ہے تو پھر یہ بھی کہنے

والے کے لیے جائز ہے کہ وہ ذات جو وقوع پذیر چیزوں کو نہیں جانتی اس سے زیادہ علم کے لائق ہے جو اس سب کو جانتی ہے جو وقوع پذیر ہوتا ہے۔

(ب) اگر وہ اس مکابرہ سے رجوع کر لیں اور کہیں کہ وہ ذات کہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرے وہ ہو جاتا ہے اور جب ارادہ نہ کرے تو نہیں ہوتا، وہ صفت اقتدار کے زیادہ لائق ہے۔ تو اس سے ان کے مذہب کے مطابق یہ لازم آئے گا کہ ابلیس اللہ کی نسبت اقتدار کا زیادہ لائق ہے۔ کیوں کہ ابلیس نے جو ارادہ کیا اس میں سے اکثر ہو گیا۔ اور اکثر جو ہوا وہ ابلیس کا مراد تھا۔

ان سے کہا جائے گا: وہ ذات جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو ہو جائے اور ارادہ نہ کرے تو نہ ہو اس صفت اقتدار کی زیادہ لائق ہے تو اس سے تمھیں یہ لازم آتا ہے کہ جب کسی امر کا ارادہ کرے تو وہ ہو جائے اور جب ارادہ نہ کرے تو نہ ہو۔ کیوں کہ وہ صفت اقتدار کا زیادہ لائق ہے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا: صفت الوہیت وسلطان کا زیادہ لائق کون ہے؟

(الف) کیا وہ ذات کہ جو کچھ ہوتا ہے اس کو وہ جانتی ہے اور اس کے علم سے کچھ بھی غائب نہیں ہوتا۔ اور غائب ہونا اس پر جائز بھی نہیں۔

(ب) یا وہ ذات کہ جو وقوع پذیر ہونے والی تمام باتوں کو نہیں جانتی اور اس کے علم سے اکثر چیز میں مخفی رہتی ہیں؟

اگر وہ کہیں: وہ ذات جس کے علم سے کچھ بھی مخفی نہیں اور جو بھی ہوتا ہے اس کو جانتی ہے وہ صفت الوہیت کی زیادہ لائق ہے تو کہا جائے گا: اسی طرح وہ ذات جو جس چیز کا بھی ارادہ کرے وہ ہو جائے اور جس کا ارادہ نہ کرے نہ ہو اور اس کے ارادہ سے کوئی چیز بھی باہر نہ ہو صفت الوہیت کی زیادہ حق دار ہے۔ جیسا کہ تم نے صفت علم کے متعلق کہا ہے۔

(ب) اور جب وہ یہ کہیں گے تو انھوں نے اپنا قول چھوڑ دیا اور رجوع کر لیا اور اللہ کو ہر ہونے والی چیز کا مرید ثابت کر دیا۔

ان سے کہا جائے گا: جب تم نے یہ کہا کہ اس کی سلطنت میں وہ کچھ بھی ہوتا ہے جس کا ارادہ نہیں کرتے تو پھر اس کی سلطنت میں وہ بھی ہوگا جو وہ ناپسند کرتا ہے۔ ہاں کہے بغیر ان کے لیے چارہ نہ ہوگا۔

ان سے کہا جائے گا: جب اس کی سلطنت میں وہ کچھ بھی ہوتا ہے جو وہ ناپسند کرتا ہے تو پھر اس کا تم نے انکار کیوں کیا کہ اس کی سلطنت میں وہ کچھ بھی ہو جس کے ہونے کا وہ انکار کردے (کہ وہ نہ ہو) اگر وہ یہ الزام تسلیم کرلیں تو ان سے کہا جائے گا: معاصی تو پھر ہوکر رہیں گے اللہ چاہے یا نہ چاہے۔ اور یہ ضعف وفقر کی صفت ہے تعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا۔

ان سے کہا جائے گا: کیا یہ بات ہے کہ جب بندوں نے وہ کچھ کیا جو اللہ کو ناراض کرتا ہے اس کو غصہ دلاتا ہے تو بندوں نے اس کو ناراض کردیا اور غصہ دلادیا؟ ہاں کے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوگا۔

ان سے کہا جائے گا: پس اگر بندوں نے وہ کچھ کیا جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور جس کو ناپسند کرتا ہے تو لوگوں نے اس کو مجبور کردیا۔ اور یہ صفت قہر ہے۔ تعالى الله عن ذلك علوا كبيرا۔

ان لوگوں سے مزید کہا جائے گا کہ کیا اللہ نے فرمایا نہیں ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (ھود:۱۰۷) ہاں کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔

پھر ان سے کہا جائے گا: پس جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ وہ کرتا ہے جس کا ارادہ نہ کرے یا اپنے اس کام کا ارادہ کرتا ہے جو ہو نہ سکے تو اس کو دو باتیں لازم ہیں۔ فعل واقع ہوا (اللہ) اس سے غافل تھا یا اللہ جو ارادہ کرتا ہے اس تک پہنچنے میں تقصیر وضعف رکھتا ہے۔ اس میں ہاں کہے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انہیں کہا جائے گا: اسی طرح جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کی سلطنت میں وہ کچھ ہوتا ہے جس کا وہ اپنے بندوں سے ارادہ نہیں کرتا اس کو دو باتیں لازم ہیں۔ یا تو وہ یہ گمان کرے کہ یہ غفلت سے ہوا یا کہ یہ گمان کرے کہ اپنے

رادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے وہ عاجز ہے۔

مسئلہ: ان لوگوں سے کہا جائے: کیا یہ بات نہیں کہ جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے وہ کام کیا جو وہ خود بھی نہیں جانتا تو اس نے اللہ سبحانہ کو جھل کی طرف منسوب کیا جو اس کے شایان شان نہیں۔ ''ہاں'' کہے بغیر ان کے لیے چارہ نہ ہوگا۔

اس پر انھیں کہا جائے گا۔ اس طرح جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کے کسی بندے نے وہ کیا جس کا اللہ نے اس سے ارادہ نہ کیا تھا اس سے یہ لازم آیا کہ اللہ اپنے ارادہ تک بلوغ میں سہو تقصیر سے متصف ہے۔ جب وہ اس پر ہاں کہیں گے تو کہا جائے گا: اس طرح جو یہ گمان کرتا ہے کہ بندے وہ کچھ کرتے ہیں جو اللہ نہیں جانتا تو اس پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کو جہل کی طرف منسوب کرے۔ اس پر ہاں کہے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اس پر انہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح جب کائنات میں اللہ کا کوئی فعل ہو اور وہ اس کا ارادہ نہ کرتا ہو تو اس سے سہو و تقصیر واجب آتی ہے۔ اسی طرح جب اس کے غیر سے وہ کچھ ہو جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا تو اس سے بھی سہو اور تقصیر لازم آتی ہے۔ اس سے یا اس کے غیر سے اس فعل کے صدور ہونے سے کچھ فرق نہیں آتا۔

اور ان سے کہا جائے گا: اللہ کی سلطنت میں جب وہ کچھ ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور اس کو وہ جاننا بھی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ضعف و تقصیر لازم نہیں آتا۔

تو اس کا انکار کیوں کہ اس کی سلطنت میں وہ کچھ وقوع پذیر ہو جو وہ جانتا بھی نہ ہو اور اس کے باوجود اسے نقصان لازم نہ آئے؟ اگر یہ جائز نہیں تو وہ بھی جائز نہیں جو تم نے کہا ہے۔

اگر کوئی کہے: تم نے یہ کیوں کہا کہ اللہ ہر ہونے والی چیز کے ہونے کا ارادہ کرنے والا ہے اور ہر نہ ہونے والی چیز کے نہ ہونے کا ارادہ کرنے والا ہے؟

تو اس سے کہا جائے گا: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ ہی نے کفر اور گناہ کو پیدا کیا ہے۔ اس پر واضح دلیل واضح ہے اور ہم اس کو عنقریب اپنی اس کتاب میں تفصیل سے بیان کریں

گے۔ جب یہ بات ثابت ہے کہ سب کچھ اس نے پیدا کیا ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ اس کا ارادہ کرنے والا ہے کیونکہ اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسی چیز پیدا کرے جس کا ارادہ کرنے والا نہیں۔

۱۱:...... ان سے کہا جائے گا: یہ جائز نہیں کہ اللہ کی سلطنت میں اکتساب عباد سے وہ کچھ ہو جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا۔ جس طرح یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرے جس کا ارادہ نہ کرے کیونکہ اس کے فعل سے اگر ایسی چیز واقع ہو جس کو وہ نہیں جانتا تو اس میں نقصان کا اثبات ہے۔ اسی طرح بندوں کی طرف سے ایسا ارادہ جس کو وہ نہ جانتا ہو اس میں نقصان کا اثبات ہے پس جائز نہیں کہ بندوں سے وہ کام واقع ہو جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا کیوں کہ واجب کرتی ہیں کہ

ألف:...... یا تو یہ سہو اور غفلت سے وقوع پزیر ہوا۔

ب:...... یا تقصیر وضعف سے واقع ہوا۔ جس طرح مجمع علیہ فعل الٰہی اس کے ارادے کے بغیر وقوع پذیر ہونے سے تقصیر و سہو لازم آتا ہے مزید برآں اگر معاصی اس کی نسبت کے بغیر وقوع پذیر ہو تو وہ چیز وقوع پذیر ہوئی جس کا ہونا اللہ نے نہ چاہا۔ اس سے یہ واجب ٹھہرتا ہے کہ معاصی اللہ چاہے نہ چاہے ہو کر رہتے ہیں۔ اور یہ صفت ضعف ہے۔ و تعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا۔ ہم نے وضاحت کر دی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس حقیقت کا ارادہ کرنے والا ہے جس کے مطابق اس کا علم ہے۔ اور کفر چونکہ وقوع شدہ امور سے ہے اور اللہ کے علم میں ہے تو اللہ نے اس کے وقوع کا ارادہ بھی کیا ہے۔

۱۲:...... ان سے کہا جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کفر ہو کر رہے گا اور وہ ارادہ کرے کہ نہ ہو تو لازم آئے گا کہ اس نے اپنے علم کے خلاف جانا ہے۔ جب یہ جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ جو اس نے جانا ہے وہ اسی طرح ہو جس طرح اس نے جانا ہے۔

۱۳:...... ان سے کہا جائے گا: تم نے اس کا انکار کیوں کیا کہ اللہ اس کفر کا ارادہ کرے جس کے ہونے کو اس نے جان رکھا ہے۔ اور وہ قبیح ہو فاسد متناقص اور ایمان کے خلاف ہو

؟اگر وہ کہیں: اس لیے کہ سفاہت کا ارادہ کرنے والا ہی سفیہ ہوتا ہے؟

توکہا جائے گا: تم نے یہ کیوں کہا؟ کیا اللہ نے ابن آدم کے متعلق خبر نہیں دی کہ اس نے اپنے بھائی سے کہا:

﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾﴾ (المائدہ: ۲۸۔ ۲۹)

''اگر تو مجھے مارنے کے لیے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا میں تو فقط اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ تم میرا اور اپنا گناہ سب کچھ سمیٹ لے اور اہل جہنم میں سے ہو جائے اور ظالم لوگوں کی یہی سزا ہے''

ابن آدم نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے بھائی کو قتل نہ کرے تا کہ عذاب نہ دیا جائے بلکہ اس کا بھائی اسے قتل کرے تا کہ وہ اس کے قتل اور اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھا لے اور دوزخیوں سے ہو جائے۔ پس اس نے ارادہ کیا کہ اس کا بھائی اسے قتل کر دے۔ یہ قتل سفاہت ہے مگر اس ارادہ کے باوجود وہ خود سفیہ نہ ٹھہرا۔ سو یہاں تم نے یہ گمان کیوں کیا کہ اللہ جب بندوں سے سفاہت کا ارادہ کرتا ہے تو یہ واجب ٹھہرتا ہے کہ یہ سفاہت کی طرف منسوب ہو۔

مسئلہ:...... ان سے کہا جائے گا: یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ﴾ (یوسف: ۳۲)

''اے میرے رب! جس چیز کی طرف مجھے یہ بلا رہے ہیں جیل مجھے اس سے زیادہ پسند ہے۔''

ان لوگوں کا انھیں قید کرنا معصیت تھی۔ یوسف علیہ السلام نے ان سے اس کام کے ارادہ کی بجائے جس کی وہ یوسف علیہ السلام کو دعوت دے رہے تھے اس معصیت کا ارادہ کیا۔ اس ارادہ کے باوجود یوسف علیہ السلام سفیہ نہ ٹھہرے، تو اس کا انکار کیوں کہ اللہ جب بندوں کی سفاہت کا

ارادہ کرے کہ اطاعت کے برخلاف قبیح کام کا بندوں سے صدور ہو، لیکن اس کے باوجود اس سے خود سفیہ ہونا واجب نہ آئے۔

۱۵:...... ایک اور دلیل: ان سے کہا جائے گا: جو آدمی ہم میں سے مسلمانوں کا جرم دیکھتا ہے کیا وہ سفیہ نہیں ہوتا؟ اللہ ہی ان کے جرم دیکھتا ہے مگر سفاہت کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ ہاں کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: پھر اس کا یہ انکار کیوں کہ ہم میں سے جو سفاہت کا ارادہ کرے وہ تو سفیہ ہو اور اللہ سفہاء سے سفاہت کا ارادہ کرے مگر اس کی طرف سفاہت کو منسوب نہ کیا جائے۔

۱۶:...... ایک دلیل اور ملاحظہ کریں۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا: ہم میں کوئی سفیہ تب ہوتا ہے جب وہ سفاہت کا ارادہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے سفاہت سے منع کیا گیا ہے اور اپنے سے بلند کی شریعت کے تحت ہے۔ جو اس کے لئے کچھ حدود و رسوم متعین کرتا ہے پس جب اس نے ممنوع کام کیا تو سفیہ ہوا۔ اللہ رب العالمین جل ثناؤہ وتقدست اسماؤہ تو کسی شریعت کے تحت نہیں، نہ اس سے کوئی بلند ہے کہ جو اس پر حدود رسوم لاگو کرے ،کوئی حکم دے یا منع کرے یا کسی چیز کو مباح کرے۔ اس لیے جب وہ کسی ایسی چیز کا ارادہ کرے تو اس سے یہ واجب نہیں ٹھہرتا کہ اس کو سفاہت کی طرف منسوب کیا جائے۔

۱۷:...... ان سے کہا جائے گا: ہم میں سے جو کوئی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو خلوت مہیا کر دے کہ وہ آپس میں زنا کریں جب کہ وہ ان میں تفریق کرنے سے عاجز بھی نہ ہو تو کیا ایسا آدمی سفیہ نہ ہوگا؟ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں اور لونڈیوں سے تخلیہ کرلیا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے زنا بھی کرجاتے ہیں جب کہ اللہ تفریق پر قادر ہے۔ اس کے باوجود وہ سفیہ نہیں۔ اس طرح ہم میں سے جو اطاعت کا ارادہ کرے وہ مطیع ہوتا ہے اور جو سفاہت کا ارادہ وہ سفیہ ہوتا ہے جب کہ اللہ عزوجل سفاہت کا ارادہ کرتا ہے مگر وہ سفیہ نہیں۔

۱۸:...... ایک اور دلیل دیکھیں: ان سے کہا جائے گا: ہم میں سے جو اللہ کی اطاعت کا ارادہ کرے وہ مطیع ہوتا ہے۔ اور جو سفاہت کا ارادہ کرے وہ سفیہ ہوتا ہے جب کہ اللہ

عزوجل اطاعت کا ارادہ کرتا ہے پھر بھی مطیع نہیں ،اسی طرح وہ سفاہت کا ارادہ کرتا ہے مگر سفیہ نہیں۔

۱۹:...... ان سے کہا جائے گا: اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾ (البقرہ:۲۵۳) ''اور اگر اللہ چاہتا کہ وہ نہ لڑیں تو وہ نہ لڑتے'' فرمایا: ﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ (البقرہ:۲۵۳) ''لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔''

قتال کا ارادہ مراد ہے پس جب قتال ہوا تو اس نے وہ چاہا (اسی لیے ہوا) جیسا کہ جب اللہ نے فرمایا: ﴿وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ (الانعام : ۲۸) ''اور اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔

تو یہ واجب ہوا کہ اگر دنیا کی طرف لوٹنا ہوتا تو وہ کفر کی طرف پھر لوٹ جاتے۔ مگر جب اس نے دنیا کی طرف لوٹایا نہیں تو وہ لوٹے ہی نہیں۔ اسی طرح جب اگر اللہ چاہتا کہ وہ نہ لڑیں تو وہ لڑتے مگر جب وہ لڑے تو اس کا مطلب ہے اس نے چلایا ہے کہ وہ لڑیں۔

۲۰:...... مسئلہ: **(الف)** ان سے کہا جائے گا: اللہ نے فرمایا:

﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (السجدۃ:۱۳)

''اور اگر ہم یہ چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن ہماری بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔''

تو جب یہ قول ثابت ہو چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ نہیں چاہا کہ ہر نفس کو ہدایت دی جائے۔ کیوں کہ اس نے ہدایت اس قول کے سبب نہیں دی جو کفار کی تعذیب سے متعلق ثابت ہو چکا ہے۔ اور جب اس نے تمام لوگوں کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا تو (اس کا مطلب ہے) کہ اس نے ان کی گمراہی چاہی ہے۔

اگر وہ کہیں: اس کا معنی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو ہدایت پر مجبور کر دیتے۔

تو کہا جائے گا: جب اللہ تعالی ان کو ہدایت پر مجبور کر دے تو کیا وہ ہدایت والے ہوں

گے؟ اگر وہ کہیں: ہاں، تو پھر کہا جائے گا: جب اللہ ہدایت کو پیدا کرے یہ کرے تو وہ ہدایت یافتہ ہوں گے تو اس کا تم نے انکار کیوں کیا اگر وہ کافروں کا کفر پیدا کرے تو وہ لوگ کافر ہوں۔ یہ بات ان کے قول کی مذمت کرتی ہے۔

کیوں کہ ان کا گمان ہے کہ اللہ کافر کا کفر پیدا نہیں کرتا۔

ب:...... ان سے مزید یہ کہا جائے گا کہ اگر اللہ ان کو ہدایت دے دیتا تو ہدایت پر ان کا ثبوت کس صورت والا ہوتا تھا؟ اگر وہ کہیں: علی وجہ الالجاء ہوتا۔ تو ان سے کہا جائے گا۔ وہ ان کو علی وجہ الالجاء ہدایت دے تو کیا جو اعمال وہ کریں گے وہ انھیں نفع دیں گے؟

وہ ہاں ہی کہیں گے۔ اس پر انہیں کہا جائے گا: اس نے خبر دی ہے کہ اگر جہنم کو بھر دینے سے متعلق اس کا قول ثابت نہ ہوتا تو وہ انہیں ہدایت دے دیتا اور اگر وہ انھیں ایمان پر مجبور کر دیتے تو یہ بات انہیں نفع نہ دیتی اور نہ ہی ان سے عذاب ٹالتی۔ جیسا کہ فرعون کو غرق ہوتے وقت اس کے قول نے نفع نہیں دیا۔

پس تمہارا قول کچھ معنی نہیں رکھتا۔ کیوں کہ اگر قول ثابت نہ ہوتا تو ہر نفس ہدایت دے دیا جاتا۔ مگر ایسی ہدایت جس کا تم نے (علی وجہ الالجاء) اثبات کیا ہے عذاب کو نہ ٹالتی۔

ج:...... ان لوگوں سے کہا جائے گا: اللہ نے فرمایا:

﴿ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ (الشوریٰ: ۲۷)

''اور اگر اللہ اپنے بندوں کو وافر رزق عطا کر دیتا تو یہ زمین میں بغاوت پر اتر آتے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝۳۳ ﴾ (الزخرف: ۳۳)

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم رحمن کے

ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اور چھت چاندی سے بنا دیتے۔''

اللہ نے خبر دی ہے کہ اگر کفر پر لوگوں کے مجتمع ہونے کی بات نہ ہوتی تو وہ ان کے لیے رزق فراخ کر دیتا اور کفار کے لیے چاندی کی چھت بنا دیتا (اس خبر کے ہوتے ہوئے) تم نے یہ انکار کیوں کہ اگر وہ ان کے کافر ہونے کا ارادہ نہ کرتا تو ان کو پیدا ہی نہ کرتا۔

جب کہ اسے علم ہی ہے کہ جب وہ ان کو پیدا کرے گا تو وہ کافر ہوں گے۔ جیسا کہ اگر وہ تمام لوگوں کا کفر چاہتا تو کفار کے لیے چاندی کی چھت اور چاندی کی سیڑھی بنا دیتا جس پر وہ چڑھتے۔ (مگر اس نے نہیں بنائی) تا کہ لوگ کفر پر جمع نہ ہو جائیں۔

باب 11

بندوں کے اعمال کی تقدیر، استطاعت، تعدیل اور تجویز [1]

(۱) قدریہ سے کہا جائے گا: کیا یہ جائز ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو وہ سکھائے جو وہ خود ہی نہ جانتا ہوں ؟ اگر وہ کہیں کہ اللہ اپنے بندوں کو جو سکھاتا ہے وہ خود بھی جانتا ہوتا ہے۔ تو کہا جائے گا: اسی طرح وہ ان کو کسی چیز پر قدرت نہیں دیتا مگر خود بھی اس پر قادر ہوتا ہے۔ یہ بات تسلیم کیے بغیر ان کے لیے چارہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد انھیں کہا جائے گا: جب اس نے بعض کو کفر پر قدرت دی تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان کے کفر کو ان کے ذریعے پیدا کرے اور جب وہ ان کے لیے کفر پیدا کرنے پر قادر ہے تو تم نے یہ انکار کیوں کیا کہ وہ ان کا کفر فاسد، باطل، متناقض پیدا کرے جب کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ اور جب کہ کفر ان چیزوں میں سے ہے جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے تو تحقیق اللہ نے اس کو پیدا بھی کیا ہے اور مقدر بھی۔

(۲) مسئلہ: لطف [2] کے ذریعے بھی ان کا رد کیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنی مخلوق کیلئے رزق کی اتنی کشادگی پیدا کرے جس کے ہوتے ہوئے وہ زمین میں بغاوت کرنے لگیں ؟ اور وہ ان کے ساتھ کچھ ایسا کرے کہ اگر وہ کفار سے ایسا کرے تو وہ کفر میں واقع ہو جائیں ؟ جبکہ اس نے فرمایا:

---

[1] دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (۴۹۹_۵۴۵)

[2] لطف کے معنی میں اختلاف ہے۔ اہل السنہ کے ہاں یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے۔ اسے عطاء کرتا ہے اس کے سبب انسان خیر کے قریب جاتا ہے اور بدی سے دور ہو جاتا ہے۔
معتزلہ کے نزدیک لطف اللہ پر واجب ہے اور لطف کے معانی ان کے ہاں یہ ہیں کہ اس کے ہونے سے انسان اطاعت کے زیادہ قریب اور معصیت سے زیادہ دور ہوتا ہے لیکن یہ لطف گناہ سے بچنے یا نیکی کرنے پر اسے مجبور نہیں کرتا۔ (ملخصا من تعلیقات العصیمی) نیز مقدمہ دیکھیے۔

﴿وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ:۲۷)

''اور اگر اللہ اپنے بندوں کو وافر رزق عطا کردے تو وہ زمین میں بغاوت کرنے لگیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَ لَوْ لَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝﴾ (الزخرف:۳۳)

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم رحمن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اور چھت چاندی سے بنادیتے۔''

ہاں کے بغیر ان کے لیے چارہ نہ ہوگا۔ اس پر ان سے کہا جائے گا: تم نے اس کا انکار کیا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ ایسا لطف کرے کہ جس کے کرنے سے وہ سب ایمان لے آئیں جیسا کہ وہ ایسے امر پر بھی قادر ہے کہ وہ کرے تو سب کفر کرلیں۔

(۳) مسئلہ اخری: ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾

(النساء:۸۱)

''اور اگر تم پر کااللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم ماسوائے چند لوگوں کے شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔''

اور فرمایا:

﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا﴾

(النور:۲۱)

''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ

ہو پاتا۔"

اور فرمایا:

﴿فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝﴾ (الصافات:٥٥)

"اس نے جھانکا تو اسے دوزخ کے درمیان پایا (پھر) کہا کا اللہ کی قسم! تم تو مجھے بھی ہلاک کر چھوڑتے اور اگر مجھ پر میرے رب کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی حاضر کیئے گئے لوگوں میں سے ہوتا۔"

یہ کونسا فضل ہے جو اس نے مؤمنین سے کیا اگر نہ کرتا تو وہ شیطان کی پیروی کر لیتے؟ اور یہ کونسا فضل ہے کہ اگر نہ ہوتا تو ان میں سے کسی کا بھی کبھی تزکیہ نہ ہوتا؟ اور یہ کونسی نعمت ہے کہ اگر اللہ نہ کرتا تو وہ حاضر کیئے گئے لوگوں میں سے ہوتے؟ اور کیا یہ ایسی چیز ہے جو اس نے کفار سے نہیں کی بلکہ مؤمنین خاص کی ہے؟ اگر وہ کہیں: ہاں، تو انھوں نے اپنا قول چھوڑ دیا اور اللہ عزوجل کیلیئے مؤمنین پر ایسی نعمت وفضل کا اثبات کیا جس کی مثل نعمت وفضل اس نے کفار پر نہ کی۔ اور حق بات کے قائل ہو گئے۔

اگر وہ کہیں کہ اس نے یہ سب کفار سے بھی ایسے ہی کیا ہے جیسے مؤمنین سے تو کہا جائے گا: اللہ نے جب کفار سے بھی یہی کچھ کہا ہے۔ مگر وہ زکی نہیں ہوئے بلکہ شیطان کے یہ پیروکار ہوتے اور آگ میں محضر ہوتے تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ مؤمنین سے کہے: اگر میں تمہارے ہاتھ پاؤں پیدا نہ کرتا تو تم شیطان کے پیرو ہوتے جب کہ اس نے کفار کے بھی ہاتھ پاؤں پیدا کیے ہیں اور پھر بھی شیطان کے پیروکار ہیں۔ اگر وہ کہیں: یہ جائز نہیں تو کہا جائے گا: اسی طرح وہ بھی جائز نہیں جو تم نے کہا ہے۔ اس ساری بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ نے مومنین کو ایسی نعمت وتوفیق سے مختص کیا ہے جو اس نے کافروں کو نہیں دی۔ مومنوں پر فضل کیا ہے۔

(۴) استطاعت [1] سے متعلق ایک مسئلہ! ان سے کہا جائے گا: کیا ایمان کی استطاعت اللہ عزوجل کی طرف سے فضل واحسان والی نعمت نہیں؟ وہ ہاں کہیں گے تو کہا جائے گا: تم نے اس کا انکار کیوں کیا کہ یہ توفیق اور سداد بھی ہو۔ اب یہ بات بھی ماننے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: جب کافر ایمان پر قادر ہیں تو اس کا انکار کیوں کہ وہ ایمان کی توفیق ہی دیے گئے؟ اور اگر وہ موفق و مسدد ہیں تو وہ ممدوح ہوئے مگر یہ جائز نہیں اور چوں کہ یہ جائز نہیں اسی لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ایمان پر قادر ہوں۔ اور اس سے یہ واجب ٹھہرا کہ ایمان پر قدرت سے اللہ نے صرف ایمان والوں کو خاص کیا ہے۔

(۵) ایک اور مسئلہ۔ ان سے کہا جائے گا: اگر کفر پر قدرت ایمان پر قدرت ہوئی تو ایمان کی طرف رغبت دلائی گئی ہے جو کہ کفر پر مشتمل قدرت ہوتی۔

پس جب ہم نے مؤمنین کو دیکھا کہ وہ ایمان کی قدرت کے متعلق اللہ عزوجل کی طرف رغبت کرتے ہیں اور کفر کی قدرت میں بے رغبت ہوتے ہیں تو ہم نے جان لیا کہ جس میں وہ راغب ہیں وہ اس چیز کے علاوہ ہے جس میں وہ بے رغبت ہیں۔

(٦) مسئلہ اخری۔ ان سے کہا جائے گا: ہمیں ایمانی قوت کے متعلق بتاؤ کیا یہ اللہ کا فضل نہیں؟ ہاں کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: تفضّل کیا ایسی چیز نہیں ہوئی جس میں متفضل کو تفضّل کرنے نہ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے؟ اس بات کو تسلیم کیے بغیر ان کے لیے کچھ چارہ نہ ہوگا کیوں کہ فضل اور استحقاق میں یہی فرق ہے اور ان سے کہا جائے گا:

---

[1] استطاعت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ استطاعت جس کی بدولت انسان میں کسی کام کی صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ صلاحیت تکلیف کی اصل ہے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا...﴾ (البقرة:٢٨٦)

دوسری قسم وہ ہے جو مقارن فعل ہوتی ہے۔ اس کا وجود فعل سے پہلے نہیں ہوتا۔ یہ تقسیم اہل السنۃ کے علاوہ محقق اشاعرہ مثلا رازی وغیرہ نے بھی تسلیم کی ہے۔ استطاعت کے مسئلہ میں کئی ایک فرق نے غلطی کھائی ہے۔ بعض فعل سے قبل استطاعت کے منکر ہیں!!

متفضل کو اس کی گنجائش ہے کہ وہ ایمان پر قدرت نہ دے اور ان کو رسوا کردے۔ اور یہی ہمارا موقف و مذہب ہے۔

(۷) ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ ایسی توفیق پر قادر ہے جو اگر کفار کو دی جائے تو وہ مومن ہو جائیں؟ اگر کہیں: نہیں، تو انھوں نے اللہ کو عاجز ثابت کر دیا تعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا اور اگر کہیں: ہاں، وہ اس پر قادر ہے کہ انھیں توفیق دے تو وہ ایمان لے آئیں تو پھر انھوں نے اپنا قول چھوڑ دیا اور حق کا موقف اپنا لیا۔

(۸) مسئلہ: اگر وہ ﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ (المؤمن :۳۱)
''اور اللہ یہ ارادہ نہیں کرتا کہ اپنے بندوں پر ظلم کرے''

اور: ﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۰۸) ''اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا'' کے متعلق سوال کریں تو ان سے کہا جائے گا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ کیوں کہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے لئے ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ یہ نہیں کہا کہ وہ ان کے بعض کا بعض کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ پس اس نے ان پر ظلم کا ارادہ نہیں کیا اگرچہ ان کے بعض کا بعض پر ظلم کا ارادہ کیا ہے۔

(۹) اگر وہ ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾ (الملك :۳) ''تم رحمن کی پیدا کردہ چیزوں میں تفاوت نہ دیکھو گے۔''

آیت کے متعلق سوال کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝﴾ (الملك:۳، ٤) پس اللہ نے یہ مراد لیا ہے کہ آسمان میں تم کچھ فطور نہ دیکھو گے، کیوں کہ اللہ نے آسمان کا ذکر کیا ہے کفر کا نہیں۔ اور جب یہ ہمارے اس قول کے مطابق ہے تو پھر وہ باطل ہوا جو تم نے کہا ہے۔ والحمدلله رب العلمين

(۱۱) ان سے مزید کہا جائے گا: کیا تم ابتداء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ کی کوئی ایسی نعمت

پہچانتے ہو۔ جس سے اس نے ابوجہل کی بجائے صرف ابوبکر کو ہی خاص کیا ہے؟ اگر کہیں: نہیں، تو انھوں نے فحش غلطی کی۔ اور اگر کہا: ہاں، تو اپنا مذہب چھوڑ دیا کیوں کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ اللہ نے ابتداء میں تو اہل ایمان کو ایسی نعمت سے خاص کیا ہے جس کافروں کو نہیں کیا۔

(۱۲) مسئلہ: اگر وہ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾ (ص: ۲۷) ''اور ہم نے ارض وسماء اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ چیزیں فضول ہی پیدا نہیں کیں'' کے متعلق سوال کریں کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے باطل کو پیدا نہیں کیا تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اللہ نے اس سے مشرکین کی تکذیب مراد لی ہے جنھوں نے کہا کہ نہ حشر ہے نہ نشور اور نہ اعادہ تو اللہ نے فرمایا: کہ میں نے یہ اس لیے پیدا نہیں کیے کہ میں نہ اپنی اطاعت کرنے والوں کو ثواب دوں گا نہ نافرمانی کرنے والے کو سزا جیسا کہ کفار نے گمان کیا ہے کہ نہ حشر ہے نہ نشور اور نہ ثواب وعذاب۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ﴾ (ص: ۲۷) اور یہ فرما کر مزید وضاحت کی:

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْأَرْضِ ۫ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾﴾ (ص: ۲۸)

''کیا ہم انہیں جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں ان کی طرح بنا دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں؟ یا ہم متقین اور بدکاروں کو یکساں کر دیں؟''

یعنی وہ ان میں برابری نہیں کرے گا کہ ان سب کا سبیل ایک ہی ہو!!

(۱۳) مسئلہ: اگر وہ ﴿مَآ أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ (النساء: ۷۹) ''اگر تمہیں کوئی فائدہ پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور کوئی مصیبت پہنچے تو وہ تمہارے اپنے نفس کی بدولت ہے'' کے متعلق سوال کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ﴾ (النساء: ۷۸) یعنی اگر ان کو کوئی ہریالی اور خیر پہنچے ﴿يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ (النساء: ۷۸) ''تو وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے اور اگر کوئی برائی پہنچے یعنی قحط سالی اور مصائب''

﴿ يَقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ (النساء:۷۸) ''تو کہتے ہیں یہ آپ کے ہاں سے ہیں'' یعنی آپ کی نحوست کی بدولت ہے۔ اللہ نے فرمایا اے محمد ﷺ! ﴿ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴾ (النساء:۷۸) ''آپ ان سے کہیے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے آخر ان لوگوں کو کی ہے کہ بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔'' یعنی ﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾ والی بات میں ناسمجھ ہیں۔

لیکن اللہ نے مذکورہ بالا آیت میں ان کا یہ قول حذف کر دیا کیوں کہ ماقبل کلام اسی پر دلالت کرتا ہے اور (یہ بات ہم نے اس لیے کی ہے) کیوں کہ قرآن آپس میں متناقض نہیں ہوتا۔ یہ جائز نہیں کہ وہ ایک آیت میں الكل من عند الله کہے اور دوسری ان الكل ليس من عند الله کہے کہ جو لوگوں کو پہنچا ہے وہ اس کا غیر ہے جو انہیں پہنچا ہے۔ یہ بات اس آیت سے ان کے تعلق کے بطلان کو واضح کرتی ہے اور ان پر حجت واجب کرتی ہے۔

(۱۴) مسئلہ: اگر وہ ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات:۵۶) ''اور میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں'' کے متعلق سوال کریں تو اس کا جواب یہ کہ اللہ نے اس سے مراد کافروں کی بجائے مومن لیے ہیں۔ کیوں کہ اللہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے جہنم کے لیے اپنی بہت سی مخلوق پیدا کی ہے۔ پس جن کو اس نے جہنم کے لیے پیدا کیا، شمار کیا، اور ان کے نام اور ان کے والدین کے نام لکھ لیے ہیں، وہ ان کے علاوہ ہیں جن کو اس نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

(۱۵) تکلیف ❶ سے متعلق ایک مسئلہ: ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے کفار کو مکلف

❶ تکلیف مالا یطاق کا مطلق قول حادث قول ہے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ نے القدر ص ۲۹۷ میں کہا ہے۔ یاد رہے کہ جس چیز پر انسان اس لیے قادر نہیں کہ وہ اس کی ضد سے مشغول ہے تو اس چیز کا انسان کو مکلف بنانا، ناجائز ہے۔ جیسے کافر کو ایمان لانے کا حکم۔ لیکن کیا یہ اس کو تکلیف مالا یطاق کہا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور اس کو تکلیف مالا یطاق تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اور یہی صحیح ہے ملخصا من تعلقات العصیمی۔

نہیں کیا کہ وہ حق کو قبول کریں اور اللہ پر ایمان لائیں؟ ہاں کیسے بغیر ان کے لیے چارہ نہ ہو گا۔ اس پر انہیں کہا جائے گا:

اللہ نے فرمایا ہے: ﴿مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ﴾ (ھود: ۲۰) ”وہ نہ تو حق بات سننے کی طاقت رکھتے ہیں“

اور فرمایا: ﴿وَ كَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا﴾ (الکھف: ۱۰۱) ”اور وہ کچھ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔“

حالاں کہ اس نے انھیں حق کے سماع کا مکلف کیا ہے۔

(۱۶) مزید برآں ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے فرمایا نہیں

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ ﴾

(القلم: ٤٢)

”جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور انھیں سجدہ کرنے کو بلایا جائے گا تو وہ یہ سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں گے“

کیا اللہ نے آخرت میں انھیں سجدہ کا حکم نہیں دیا؟ حدیث میں ہے:

((ان المنافقين يجعل في اصلابهم كاالصيامي فلا يستطيعون السجود.)) [1]

اس میں ہمارے قول کی تثبیت ہے کہ اللہ کے لیے یہ واجب نہیں کہ جب ان کو حکم دے تو ان کو قدرت بھی دے۔ اور یہ قدریہ کے قول کا بطلان ہے۔

(۱۷) ایلام الاطفال [2] سے متعلق ایک مسئلہ: ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے دنیا

---

[1] بخاری: ٤٩١٩، تفسیر طبری: ۱۲/ ۱۹۸.

[2] یہ معتزلہ کے ہاں مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں: بغیر کسی علت کے اللہ ان کو تکلیف دیتا ہے بعض کہتے ہیں: بالغوں کی عبرت کے لیے تکلیف دیتا ہے اور قیامت کو انھیں اس کا عوض بھی دے گا، عوض نہ دے تو ظلم ہوگا۔ لیکن یاد رہے اطفال المشرکین کے جہنم میں جانے کے قول کا اطلاق غلط ہے۔ سب سے درست قول جنت میں ⇦⇦

میں بچوں کو تکالیف نہیں دیں؟ مثلاً جذام کی بیماری جس سے ہاتھ پاؤں کٹ جاتے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر بیماریاں جوان کو ایلام دیتی ہیں اور یہ سائغ و جائز ہے جب وہ ہاں کہیں تو کہا جائے گا: جب یہ عدل ہے تو اس کا انکار کیوں کہ وہ آخرت میں بھی ان کو تکلیف دے اور یہ عدل ہو؟

اگر کہیں کہ دنیا میں بچوں کو اس لیے الم دیتا ہے کہ اس سے ان کے آباء عبرت پکڑیں۔
تو کہا جائے گا: جب وہ دنیا میں ان کو اس لیے تکلیف دیتا ہے کہ ان کے والدین عبرت پکڑ لیں اور یہ عدل ہے تو وہ آخرت میں کفار کے بچوں کو ان کے آباء کو طیش دلانے کے لیے عذاب کیوں نہیں دے گا اور یہ بھی عدل ہو؟ جب کہ ایک حدیث میں یہ کہا بھی گیا ہے کہ:

((ان الا طفال تؤجج لهم ناريوم القيامةثم يقال لهم: اقتحموها، فمن اقتحمهاادخل الجنة ومن لم يقتحمها ادخل النار)) (قدم تخريجه)

”بچوں کے لیے روز قیامت آگ بھڑکائی جائے گی، پھر ان سے کہا جائے گا: اس میں داخل ہو جاؤ، جو داخل ہو گیا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور جو نہ ہوا وہ آگ میں داخل کیا جائے گا۔“

مسئلہ: بچوں کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے بلکہ نبی ﷺ سے بھی مروی ہے کہ:

((ان شئت اسمعتك ضعفاء هم فى النار)) [1]

”اگر تو چاہے تو میں تجھے آگ میں ان کی چیخ و پکار سناؤں۔“

(۱۸) ایک جواب یہ بھی ہے کہ ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

⇦⇦ جانے کا ہے۔ اللہ اعلم۔ جو اطفال المشرکین کے جہنم میں ڈالے جانے کو جائز کہتے ہیں۔ ان کا قول باطل ہے۔ جیسا کہ اشعری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

[1] ضعيف جدافيه ابوعقيل يحيى المتوكل ضعفه الجمهور)مسنداحمد: ٤/٤٨٤: ٢٥٧٤٣۔ دیکھیے الصحیحه للالبانی:١٤٦٨

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝﴾ (اللهب:۱۔۳)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں اور وہ ہلاک ہو نہ اس کا مال اسکے کسی کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا، وہ جلد ہی بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا۔''

اس کے باوجود اللہ نے اس کو ایمان کا حکم دیا ہے اور یہ بھی اس پر واجب کیا ہے کہ وہ یہ جان لے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اور اللہ اس کے ایمان نہ لانے کے متعلق خبر دینے میں سچا ہے۔ اس کے باوجود اس کو حکم دیا کہ وہ ایمان لائے۔ ایمان اور یہ علم کہ ایمان نہیں لا سکتا جمع نہیں ہو سکتے۔ کوئی شخص اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ایمان بھی لائے اور یہ بھی جان لے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔

اور جب معاملہ اس طرح تو اللہ نے ابولہب کو اس کا حکم دیا ہے جس کا وہ قادر نہیں کیوں کہ حکم دیا ایمان کا جب کہ وہ جانتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔

(۱۹) مسئلہ: ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے اس شخص کو بھی ایمان کا حکم نہیں دیا جس کے متعلق اس نے جانا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ وہ ہاں کہیں گے۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: تم لوگ ایمان پر قادر ہو اور تمھارے لیے یہ ممکن ہے؟ اگر کہیں نہیں ہمارے موافق ہوگے اور اگر کہا ہاں تو پھر انھوں نے گمان کیا کہ لوگ اللہ کے علم سے خروج پر قادر ہیں۔ تعالیٰ اللہ عزوجل من ذلك علوا كبيرا۔

(۲۰) مسئلہ: معتزلہ کا رد۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا: کیا مجوسی نے شیطان کو ایسے شر پر قادر ثابت نہیں کیا جس پر اللہ بھی قادر نہیں اور وہ اس موقف کی وجہ سے کافر ہوئے؟ ہاں کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اس پر انھیں کہا جائے گا: جب تمہارا یہ گمان ہے کہ کفار کفر پر قادر ہیں، اللہ نہیں تو تم نے مجوس کی بات میں اضافہ کیا ہے کیوں کہ تم یہ کہتے ہو کہ شیطان ایسے شر پر قادر رہے جس پر اللہ قادر نہیں پس تم نے ان کی بات میں اضافہ کیا ہے اور اس سے اس حدیث کی بھی

وضاحت ہوتی ہے کہ

((ان القدرية مجوس هذه الامة)) (تقدم تخريجه)

”قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔“

یہ اس امت کے مجوس اسی لیے ہیں کہ انھوں نے مجوس کی بات ہی کی ہے۔

(۲۱) مسئلہ: قدریہ کا گمان ہے کہ لفظ قدر کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ [1]

کیوں کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ نے شر اور کفر کو مقدر کیا۔ تو جو قدر کو ثابت کرتا ہے وہ قدری ہوا نہ کہ وہ جو ثابت نہیں کرتا۔

اس پر ان سے کہا جائے گا: قدری وہ ہے جو اللہ کی بجائے اپنے لیے قدرت کا اثبات کرتا ہے۔ اور خالق کی بجائے خود ہی اپنے افعال مقدر کرتا ہے۔ یہ لغت میں بھی ایسے ہی ہے کیوں کہ ضائغ اسے کہتے ہیں جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ سونا ڈھالتا ہے نہ کہ ضائغ اسے کہتے ہیں جس کے لیے سونا ڈھالا جائے۔ اسی طرح نجار اس کو کہتے ہیں جو لکڑی کے کام کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے نہ کہ اس کو جس کے لیے کام کیا جاتا ہے۔

تو جب تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم خود ہی رب کی بجائے اپنے ایمان کو مقدر کرتے ہو تو پھر یہ واجب ٹھہرا کہ تم ہی قدریہ ہو۔ اور ہم قدریہ نہ ہوں۔ کیوں کہ ہم اعمال کو اپنے نفس کی طرف مضاف نہیں کرتے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے لیے اعمال مقدر کیے گئے ہیں۔

(۲۲) مسئلہ: ان سے کہا جائے گا: جس نے اللہ کے لیے تقدیر ثابت کی اگر وہ قدری ہے تو تمھیں یہ لازم آیا کہ جب تم نے یہ گمان کیا ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان اور طاعات کو مقدر کیا تو پھر تم بھی قدریہ ہوئے۔ اور چوں کہ یہ لازم نہیں اس لیے تمھارا قول باطل ہوا اور تمھارا کلام متناقض ہوا۔

---

[1] دیکھیے: المجموع المحيط بالتكليف لابن متويه۔ ابن متویہ معتزلی نے اہل السنۃ کو اس لقب کا حق دار قرار دیا ہے۔ حالاں کہ یہ باطل ہے۔ معتزلہ ہی قدریہ ہیں اور ان قدریہ ہونا کئی وجوہ سے ثابت ہوتا ہے۔

(۲۳) مہر لگ جانے کے متعلق ایک مسئلہ [1] ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾

(البقرہ: ۷)

"اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔"

اور فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام: ۱۲۵)

"جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کے سینے میں اتنی گھٹن پیدا کرتا ہے"

پس ہمیں بتاؤ کہ جن کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگائی ہے کیا تم گمان کرتے ہو کہ ان کو اس نے ہدایت دی ہے اور اسلام کے لیے ان کا سینہ کھولا ہے اور ان کو گمراہ بھی کیا ہے؟ اگر کہیں: ہاں، تو ان کا قول متناقض ہوگیا۔

ان سے یہ بھی کہا جائے گا: کہ سینے ایمان کے لیے مشروح کیسے ہوں گے جب کہ وہ ضیق اور تنگ ہیں؟ اور وہ تالے جن کے متعلق اللہ نے کہا ہے کہ

﴿اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝﴾ (محمد: ۲٤)

"یا ان لوگوں کے دلوں پر تالے ہیں۔"

وہ شرح کے ساتھ، تنگی وسعت کے ساتھ اور ہدایت گمراہی کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے؟

اگر یہ جائز ہے کہ توحید اور توحید کی ضد الحاد اور کفر و ایمان اکٹھے ایک دل میں جمع

---

[1] اس مسئلہ کا تعلق خلق افعال العباد سے ہے۔ معتزلہ اس کے قائل نہیں اس لیے مہر کے بھی قائل نہیں۔ یہ اس کو مجاز کہتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب کشاف زمخشری نے کہا ہے۔

ہوں۔ اگر یہ جائز نہیں تو وہ بھی جائز نہیں جو تم نے کہا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ مہر، تنگی اور گمراہی اللہ کے سینے کھول دینے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے تو کہا جائے گا: اسی طرح ہدایت گمراہی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اور جب معاملہ اسی طرح ہے تو اللہ نے ایمان کے لیے کافروں کے سینے نہیں کھولے بلکہ ان کے دلوں پہ مہر لگادی ہے اور حق کے متعلق ان کے دلوں پر تالے لگا دیے ہیں۔

(۲۴) اسی طرح اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر بددعا کی فرمایا:

﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰٓ اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ (یونس :۸۸)

''ہمارے رب! ان کے اموال کو غارت کر دے اور ان کے دلوں کو ایسا سخت بنا دے کہ جب تک وہ المناک عذاب دیکھ لیں ایمان نہ لائیں۔''

اس پر اللہ نے فرمایا:

﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ (یونس :۸۹)

''تم دونوں کی دعا قبول ہو چکی۔''

اسی طرح اللہ نے کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ انھوں نے کہا:

﴿وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ (فصلت :۵)

''اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔''

اللہ نے ان کے دلوں میں پردے، تالے اور کج روی پیدا کی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصف:۵)

''پھر جب انھوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔''

اللہ نے مہر اور ضیق صدر کو بھی پیدا کیا ہے پھر اس ایمان کا حکم دیا ہے جس کے متعلق اس نے جانا ہے کہ وہ نہ ہوگا تو تحقیق اس نے ان کو اس کا حکم دیا ہے جس پر وہ قادر نہیں اور جو ہم نے ایمان کو قبول کرنے سے ان کی تنگی کا ذکر کیا ہے کہ جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ یہ تنگی اس کفر کی بدولت ہے جو ان کی دلوں میں ہے تو اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ ہی نے ان کے کفر و معاصی کو پیدا کیا ہے۔

(۲۵) ان لوگوں سے کہا جائے گا: اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا ہے:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾ (الاسراء: ۷٤)

"اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ جھک جاتے۔"

اور یوسف علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا﴾ (یوسف: ۲٤)

"چنانچہ اس عورت نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف اس کا قصد کرتے۔"

ہمیں اس تثبیت و برہان کے متعلق بتاؤ کیا کفار سے اللہ نے ایسا کیا ہے جیسا ان سے کیا؟ اگر کہیں: نہیں، تو انھوں نے تقدیر کا قول چھوڑ دیا۔ اور اگر ہاں کہیں تو کہا جائے گا: کہ جب کہ آپ تثبیت کی وجہ سے ان کی طرف مائل نہیں ہوئے تو واجب ہوا کہ اگر وہ یہ کفار سے کرتا تو وہ بھی کفر سے دور رہتے اور چوں کہ وہ کفر سے دور نہیں تو اس سے تمہارا قول باطل ہوا کہ اس نے ان کے ساتھ بھی تثبیت سے متعلق وہ کچھ کیا ہے کہ جو نبی کے ساتھ کیا تو وہ کفار کی طرف مائل نہ ہوئے۔

(۲٦) استثناء [1] سے متعلق ایک مسئلہ۔ ان سے کہا جائے گا: کسی آدمی سے حق طلب

---

[1] اس مسئلہ سے مراد یہ ہے کہ اپنا ایمان بتلانے میں ان شاء اللہ کہا جائے۔ اس میں اختلاف ہے: بعض وجوب کے قائل ہیں۔ مثلاً کلابیہ بعض حرمت قائل ہیں کے مثلاً جہمیہ و مرجئہ۔ جب کہ اہل السنۃ اس بات کے قائل ⇦⇦

کرنے کے متعلق ہمیں بتاؤ کہ آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اللہ نے چاہا تو میں کل تمہیں ضرور دے دوں گا۔ تو کیا اللہ یہ چاہنے والا نہیں کہ یہ اسے اس کا حق دے؟ وہ ہاں کہیں گے۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: اگر کل آگئی اور اس نے نہ دیا تو کیا وہ حانث نہ ہوگا۔؟ ہاں کہے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ پھر انھیں کہا جائے گا: اگر اللہ حق ادا کرنے کو چاہتا ہو تو نہ وہ دینے پر حانث ہوگا جیسا کہ اگر وہ کہے کہ میں کل فجر طلوع ہونے پر تمہیں تمہارا حق اللہ کی قسم ضرور دوں گا۔ پھر فجر طلوع ہوگی اور اس نے نہ دیا تو حانث ہوگا۔

(۲۷) آجال سے متعلق مسئلہ: ❶ ان سے کہا جائے گا۔ کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ ﴾

(الاعراف: ۳٤)

''جب ان کا مقررہ وقت آگیا تو پھر وہ ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہ ہوں گے''

اور فرمایا:

﴿ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا ﴾ (المنافقون: ۱۱)

⇐ ہیں کہ اگر ایمان میں شک کے لیے ہو تو ممنوع ہے اور اگر اپنے تزکیہ یا تبرک، یا اس ڈر سے کہ ایمان مطلق پر ہم پتا نہیں کاربند ہیں یا نہیں ہو تو جائز۔

❶ یہ مسئلہ معتزلہ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ان کے نزدیک چونکہ اللہ نے انسان کے افعال پیدا نہیں کیے تو سوال پیدا ہوا کہ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آجال العباد مقدرۃ۔ اگر یہ کہا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص جس کو قتل کیا جاتا ہے اس کا قتل اور قاتل کا عمل اللہ نے مقدر کیا ہے۔ اور یہ ان کے قول کے خلاف ہے اس لیے اس سے فرار ہوتے ہوئے انھوں آجال کا مسئلہ کھڑا کیا۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ اجل وہ ہے جو اللہ کے علم میں ہو کہ اگر اس کو کوئی قتل نہ کرے تو وہ فلاں وقت مرے گا؟ پھر ان میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کچھ اہل السنۃ کے موافق بھی ہیں کہ انسان کی موت اور اس کا سبب ہر چیز اللہ نے لکھ چھوڑی ہے اور کوئی بھی نہ تو اپنی اجل سے قبل فوت ہوتا ہے اور نہ ہی بعد میں۔ مقتول بھی اپنی اجل ہی سے قتل ہوتا ہے۔ اس بحث سے آپ کو بخوبی علم ہوگا کہ اصولی بدعات کتنی زیادہ جزئیات میں جاری ہوتی ہیں اور ان اصولی بدعات کی وجہ سے کتنے مسائل کھڑے ہوتے ہیں۔ جن میں انسان اپنے اصول کو بچانے کے لیے سفاہت کا شکار ہو جاتا ہے نسأل العافية۔

''اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت آجائے۔''

ہاں کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: ہمیں اس کے متعلق بتاؤ جس کو ظلماً کسی نے قتل کر دیا۔ کیا تمہارے گمان کے مطابق وہ اپنی اجل ہی سے فوت ہوا یا غیر اجل میں۔ اگر کہیں: ہاں، (یعنی اپنی اجل کے مطابق ہی) تو وہ موافق ہو گئے اور حق کے قائل ہو گے اور قدر کی بدعت چھوڑ دی اور اگر کہیں: نہیں، تو کہا جائے گا: اس مقتول کی اجل کب تھی؟

(۲۸) مسئلہ اخری: ان سے کہا جائے گا: تمھارے ہاں قاتل اس پر قادر تھا کہ وہ اس مقتول کو قتل نہ کرے کہ وہ زندہ رہے۔ یعنی وہ قاتل اس کی اجل کو مقدم کرنے اور اجل کو ختم کرنے پر قادر ہے اور اس کی اجل کو مؤخر کرنے پر بھی قادر ہے۔ پس تمہارے اس قول کے مطابق انسان لوگوں کی آجال مقدم و مؤخر کرنے پر قادر ہے اور بندوں کے باقی رکھنے تلف کرنے اور ان کی روح نکالنے پر بھی قادر ہے۔ حالاں کہ یہ دین میں الحاد ہے۔

(۲۹) رزق سے متعلق مسئلہ:[1] ان سے کہا جائے گا: ہمیں بتاؤ جس نے کھانا غضب کیا تو اس کا کھانا حرام ہے۔ تو کیا یہ حرام اس کو اللہ نے رزق دیا ہے؟ اگر کہیں: ہاں، تو انھو ں نے قدر کو چھوڑ دیا۔ اور اگر کہیں: نہیں، تو کہا جائے گا: جس نے ساری عمر حرام کھایا اس کو اللہ نے کوئی چیز رزق نہیں دی جس کو اس کے جسم نے بطور غذا استعمال کیا ہو!!

ان سے یہ بھی کہا جائے گا: جب اس کا غیر اس کے لیے کھانا غصب کرے اور موت تک اس کو کھائے تو کیا تمھارے نزدیک اس کا رزق غیر اللہ نے جاری کیا ہے؟ جب کہ اس میں اس کا اقرار ہے کہ مخلوق کے دو رازق ہیں؟ (الف) ایک حلال رزق دیتا ہے (ب) دوسرا حرام اور لوگوں کے گوشت اور ہڈیاں اس کے باوجود نمو پا گئے کہ اللہ نے ان کو رزق دیا جو ان کی غذا بنے۔ اور جب تم نے یہ کہا کہ تمہارا امیر رزق حرام دیتا اللہ نہیں تو اس سے یہ لازم آیا کہ اللہ نے نہ تو اس کو غذا دی ہے اور نہ ہی اس کو اس کے جسم کا قوام بنایا ہے بلکہ اس

[1] معتزلہ کے نزدیک جو حرام کھا رہا ہے وہ اللہ کا دیا ہوا رزق نہیں۔!! یعنی جو انسان زندگی میں حرام کھاتا رہے اس کو اللہ نے ایک لقمہ بھی رزق نہیں دیا!!

کا جسم، گوشت اور ہڈیاں اللہ کی مدد کے بغیر ہی سخت ہو گئے اور ایسا شخص ان میں سے ہے کہ جس کا رزق حرام ہے۔ اور یہ کفر عظیم ہے اگر وہ اس کے متحمل ہوں۔

(۳۰) ارزاق سے متعلق ایک اور مسئلہ! ان سے کہا جائے گا: تم نے اس کا انکار کیوں کیا کہ اللہ حرام رزق دے؟ اگر وہ کہیں: کیوں کہ اگر وہ رزق حرام دے تو وہ رزق حرام آدمی کی ملکیت بن جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ ہمیں اس بچے کے متعلق بتاؤ جس نے اپنی ماں کے دودھ کی غذاء لی۔ اور اس چوپائے کے متعلق بتاؤ جو گھاس چرتا ہے۔ ان کو کون رزق دیتا ہے؟ اگر کہیں اللہ تو کہا جائے گا: اگر کہیں اللہ نے ان کو مالک بنایا؟ اور کیا چوپائے کی بھی ملکیت ہوتی ہے؟ اگر کہیں، نہیں، تو کہا جائے گا: پھر تم نے یہ گمان کیوں کیا کہ وہ رزق حرام دے تو اس کا آدمی مالک بھی بنا دے؟ اللہ رزق دیتا ہے مگر انھیں مالک نہیں بناتا؟ اور ان سے کہا جائے گا: کیا کیا اللہ نے انسان کو حرام پر قدرت دی ہے اگر چہ مالک نہیں بنایا؟ اگر کہیں: ہاں، تو کہا جائے گا: اس کا انکار پھر کیوں کہ اللہ رزق حرم اور مالک نہ بنائے۔

(۳۱) ان لوگوں سے یہ بھی کہا جائے گا: کہ اگر مؤمنوں کو توفیق اللہ کی مدد سے ہوتی ہے تو پھر اس کا انکار کیوں کہ کفار کی رسوائی بھی اللہ کی طرف سے ہو ورنہ اگر تم یہ گمان کرتے کہ اللہ نے کفار کو بھی ایمان کی توفیق دی ہے تو پھر یہ بھی کہو کہ ان کو کفر سے بچا رکھا ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بچا بھی رکھا ہو اور کفر ہو بھی رہا ہو!!

اگر کہیں نہیں تو کہا جائے گا: پھر یہ خذلان کیا ہے۔ جو اس نے پیدا کیا ہے؟ اگر کہیں یہ کفر اور ان کے درمیان تخلیہ ہے تو کہا جائے گا: کیا تمہارا یہ بھی قول نہیں کہ اللہ نے توفیق اور کفر کے درمیان ایمان والوں کو بھی تخلیہ کر دیا ہے۔ اگر وہ کہیں: ہاں، تو کہا جائے گا: اگر خزلان ان کے اور کفر کے درمیان تخلیہ کا نام ہے تو لازم آیا کہ اس نے اہل ایمان کو بھی خذلان سے دوچار کیا کیونکہ اہل ایمان اور کفر کے درمیان بھی اس نے (تمہارے زعم کے مطابق) تخلیہ کیا ہے اور یہ خروج من الدین ہے۔ پس اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ وہ خذلان اس کفر کو ثابت کریں جو اللہ نے ان میں پیدا کر رکھا ہے اور تقدیر کی بدعت کو چھوڑ دیں۔

(۳۲) مسئلہ اُخریٰ: اگر اہل قدر میں سے کوئی سوال کرے کہ کیا کوئی بندہ کسی نعمت سے جس پر اللہ کا شکر کرنا واجب ہو یا کسی مصیبت سے جس پر صبر کرنا واجب ہو خالی ہو سکتا ہے؟ اس سائل کو کہا جائے گا: آدمی نعمت و بلیت سے خالی نہیں ہوتا، نعمت پر اللہ کا شکر کرنا بندے پر واجب ہوتا ہے۔ جب کہ مصیبتیں دو طرح کی ہیں: (ا) ایک وہ جن پر صبر واجب ہوتا ہے۔ مثلاً: بیماریاں وغیرہ (ب) وہ مصیبتیں جن سے نکلنا واجب ہے۔ مثلاً: کفر و معاصی۔

(۳۳) اگر یہ پوچھیں کہ زیادہ بہتر کون ہے؟ کیا بہتر ذات یا وہ زیادہ بہتر ہے جس سے خیر کا صدور ہوتا ہے۔ تو کہا جائے گا: خیر کا فضل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اگر پوچھیں کہ شر میں براکون ہے؟ کیا وہ جو خود برا ہو یا وہ جس سے برائی کا صدور ہو؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جس سے شر ظلم کی صورت میں صادر ہو وہ برائی سے زیادہ برا ہے۔ اللہ عزوجل شر پیدا کرتا ہے مگر وہ عدل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح جو تم نے ہم سے سوال کیا ہے وہ ہم پر لازم نہیں۔ جب کہ تم خود بھی اپنے اصول کا نقض کرنے والے ہو۔ کیوں کہ اگر وہ ذات جس نے شر کا صدور ہو وہ برائی سے زیادہ بد ہے تو اللہ نے ایسی چیز کو بھی پیدا کیا ہے جو تمام شرور سے ہے (یعنی شیطان کو پیدا کیا ہے)۔ اور یہ تمہارے موقف کا نقض اور تمھارے مذہب کا فساد ہے۔

(۳۴) ہدایت سے متعلق ایک مسئلہ: معتزلہ سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞﴾ (البقرة:۱، ۲)

"الم! یہ کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں اس میں متقین کے لئے ہدایت ہے"

اللہ نے خبر دی ہے کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے۔ ہاں کے بغیر ان کے لیے چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: کیا اللہ نے قرآن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا نہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ (فصلت:٤٤) پس اللہ نے خبر دی ہے کہ قرآن ان کی آنکھوں کی پٹی ہے۔ اب ہاں کہے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس پر

انھیں کہا جائے گا: کیا یہ جائز ہے کہ جس کے متعلق اللہ نے خبر دی ہے کہ قرآن اس کے لیے ہدایت ہے اسی پر قرآن عمی بھی ہو۔ اب نہیں کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا کہ جس طرح یہ جائز نہیں اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ قرآن اس آنکھوں کی پٹی ہو۔ جس کے متعلق اللہ نے خبر دی ہے کہ قرآن اس کے لیے ہدایت ہے۔

(۳۵) مسئلہ اخری: پھر ان سے کہا جائے گا: جب یہ جائز ہے کہ ایمان کی طرف بلانا ہی ہدایت ہے (یعنی اس کو ہدایت کہتے ہیں) کوئی قبول کرے یا نہ کرے تو اس کا انکار پھر کیوں کہ ابلیس کا کفر اور ضلال کی طرف بلانا ہی اضلال ہے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے؟ اگر ابلیس کا کفر کی طرف بلانا صرف ان کفار کے لئے اضلال ہے جنہوں نے اس کی بات کو قبول کیا تو پھر اس کا انکار کیوں کہ اللہ کا ایمان کی طرف بلانا صرف ان مؤمنین کے لیے ہدایت ہو جنہوں نے دعوت ہدایت کو قبول کیا نہ کہ ان کفار کے لیے جنھوں نے قبول نہ کیا۔

وگرنہ اس میں اور اس میں فرق کیا ہے؟!

(۳۶) ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ (البقرہ:۲۶)

''اس طرح اللہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہے اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔''

اور کہا گیا ہے کہ یہ قول دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے سب کو گمراہ نہیں کیا کیوں کہ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا اگر کل مراد ہوتے تو يُضِلُّ بِهٖ الکل کہتا۔ جب كَثِيْرًا بولا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ نے سب کو گمراہ نہیں کیا۔

اس بات پر ہاں کہیں بغیر چارہ کار نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: پھر اس کا انکار کیوں کہ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے اس نے کل مراد نہیں لیے کل مراد ہوتے تو وہ یھدی بہ الکل ہوتا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا میں تمھارے قول کا ابطال ہے کہ اللہ

نے تمام مخلوق کو ہدایت دی ہے۔

(۳۷) مسئلہ اخری: ان سے کہا جائے گا: جب تم نے یہ کہا کہ اللہ کا کفار کو ایمان کی طرف بلانا ہی ہدیت ہے اگر چہ انھوں نے ہدایت قبول نہیں کی تو پھر اس کا انکار کیوں کہ اللہ کا ان کو ایمان کی طرف بلانا نفع، صلاح اور ان کی تسدید بھی ہو اور اس کا انکار کیوں کی یہ بلانا کفر سے عصمت بھی ہو اور ایمان کی توفیق بھی اگر چہ وہ مؤمنین نہیں۔ اس قول سے یہ واجب آیا کہ اللہ نے کفار کو بھی ہدایت کی توفیق بخشی ہے اور کفر سے عصمت اور صلاح بخشی ہے اگر چہ ہیں وہ کافر ہی اور یہ محال ہے کیوں کہ کفار مخذول ہیں۔ مخذول ہوتے ہوئے وہ ایمان کی توفیق دیے گئے کیسے ہو گئے۔ اگر یہ جائز ہے کہ کافر ایمان کی توفیق دیا گیا ہے تو یہ انکار تمھارے لیے کہاں کہ ایمان بھی اس کیلیے ثابت ہو۔ اگر یہ محال ہے تو اس کا انکار کیوں کہ جو تم نے کہا ہے وہ بھی محال ہو!!

(۳۸) اضلال سے متعلق ایک مسئلہ: ان سے کہا جائے گا: اللہ نے کفار کو ایمان سے گمراہ کیا ہے یا کفر سے؟ **(الف)** اگر کہیں کفر تو کہا جائے گا: وہ کفر سے گمراہ کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ تو کافر ہیں! اگر کہیں: ایمان سے گمراہ کیا ہے تو انھوں نے اپنا قول ترک کر دیا تو کہ ہم ''اضلهم'' تو کہتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ کس چیز سے گمراہ کیا ہے تو کہا جائے گا: تمھارے قول اور اس کے قول میں کیا فرق ہے جو کہے کہ اللہ نے مومنین کو ہدایت دی ہے مگر لاشیء کی طرف۔ اگر یہ محال ہے کہ وہ مؤمنین کو غیر ایمان کی طرف ہدایت دے تو اس کا انکار کیوں کہ یہ بھی محال ہے کہ کفار کو غیر ایمان سے گمراہ کرے۔

(۳۹) مسئلہ آخری: ان سے کہا جائے گا:

﴿ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (ابراھیم: ۲۷) ''اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے'' کا کیا معنی ہے؟ اگر کہیں اس کا معنی ہے کہ وہ ان کا گمراہ نام رکھتا ہے اور ان پر گمراہ کا حکم لگاتا ہے تو کہا جائے گا: کیا اللہ نے عرب سے ان کی زبان میں خطاب نہیں کیا۔ فرمایا ہے: ﴿ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴾ (الشعراء: ۱۹۰)

اور فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ (ابراهيم: ٤)

''اور ہم نے جو رسول بھیجا ہے اسے اپنی قوم کی زبان میں بھیجا ہے۔''

اب ہاں کیے بغیران کے لیے چارہ نہ ہوگا، اس پر انھیں کہا جائے گا: جب اللہ نے قرآن عرب کی زبان میں نازل کیا ہے تو ہمیں بتاؤ عرب کی زبان میں اضل فلان فلاناً کا معنی سماہ ضلا گد تم نے کہاں پایا ہے؟ اگر کہیں ہم نے قائل کو پایا ہے کہ کسی کو ضال کہنے پر کہتا ہے: اس کہ ''اضللته'' تم نے اسے گمراہ قرار دے دیا ہے۔ اس پر انھیں کہا جائے گا کہ ہم ضلل فلانا کا معنی سماہ ضالا تو پایا ہے۔ اضل فلان فلانا کو اس معنی میں نہیں پایا۔ اس لیے يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ جب اللہ نے کہا تو یہ جائز نہیں کہ اس کا معنی تسمیہ اور حکم لگانا ہو کیوں کہ عرب کی زبان میں یہ جائز نہیں کہ اضل فلان فلانا سے مراد سماہ ضالا ہو۔ اس لیے زبان عرب کے خلاف ہونے کے سبب تمھاری تاویل باطل ہے۔

(۴۰) ایک دیگر مسئلہ: ان سے کہا جائے گا: جب تم کہتے ہو کہ اضل اللہ الکافرین کا معنی سماہ ضالین ہے اور لغت میں یہ تمھارے دعوے کے مطابق نہیں تو اس سے تمھیں یہ لازم آتا ہے کہ نبی ﷺ نے جب کسی قوم کو ضال اور فاسد قرار دیا تو درحقیقت آپ نے انکو گمراہ اور فاسد قرار دے کہ گمراہ کر دیا۔ اور جب یہ جائز نہیں تو يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ کا معنی تسمیہ اور حکم لگانا بھی باطل ہوا۔

(۴۱) ایک اور جواب: ان سے کہا جائے گا: کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾

(الكهف: ١٧)

''جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا مددگار نہ پائیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ (آل عمران:٨٦)

''ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت دے جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔''

اور فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀ ﴾ (یونس:٢٥)

''اور اللہ تمھیں سلامتی والے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ ہدایت دکھلا دیتا ہے۔''

اس آیت میں دعا عام ہے اور ہدایت خاص۔ اور فرمایا:

﴿ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ؁ ﴾ (البقرہ:٢٦٤)

''اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

جب اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا تو کسی کے لیے یہ کہنا کیوں جائز ہوا کہ وہ کہے اللہ کافروں کو ہدایت دیتا ہے۔ حالاں کہ اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ ﴾ (القصص:٥٦)

''(اے نبی ﷺ) جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے''

اور یہ بھی موجود ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىھُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ ﴾ (البقرہ:٢٧٢)

''لوگوں کو راہ راست پر لانا آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

اور یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا ﴾ (السجدہ:۱۳)

''اور اگر ہم چاہتے (پہلے ہی) ہر نفس کو ہدایت دے دیتے۔''

اگر یہ جائز ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ﴾ اور ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ آیات ہونے کے باوجود کہا جائے کہ اللہ نے مؤمنین کو گمراہ کیا ہے۔ اگر یہ جائز نہیں تو اس کا انکار تم کیوں کرتے ہو کہ یہ جائز نہ ہو کہ اللہ ﴿ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ کے ہوتے ہوئے کفار کو ہدایت نہ دے۔

(۴۲) ایک اور جواب یہ بھی ہے کہ ان سے کہا جائے: کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ﴾ (الجاثیہ:۲۳)

''کیا آپ نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو الہ بنایا ہے اور اللہ نے علی العلم اسے گمراہ کر دیا اور اسکے کان اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔''

ہاں کہے بغیر ان کے لیے چارہ نہ ہوگا۔ اس پر انھیں کہا جائے گا: کیا اس انھیں ہدایت پا جانے کے لیے گمراہ کیا ہے یا گمراہ ہونے کے لیے؟ اگر کہیں: ہدایت پا جانے کے لیے تو کہا جائے گا: کیسے ممکن ہے کہ وہ ہدایت دینے کے لیے ان کو گمراہ کرے یہ جائز ہو تو یہ بھی جائز ہوا کہ وہ ہدایت دینے کے لیے گمراہ کرے!! جب یہ جائز نہیں کہ مؤمنین کو گمراہ کرنے کے لیے ہدایت دے تو اس کا انکار کیوں کہ یہ بھی جائز نہ ہو کہ وہ کفار کو ہدایت دینے کے لیے گمراہ کرے۔

(۴۳) ایک جواب یہ بھی ہے کہ ان سے کہا جائے: جب تمہارا یہ گمان ہے کہ اللہ نے کفار کو ہدایت دی تو انہوں نے ہدایت نہ پائی تو اس کا انکار کیوں کہ وہ ان کو نفع دے تو وہ نفع نہ پائیں، صلاح سے نوازے تو وہ صلاح نہ پائیں۔ اور جب یہ جائز ہے کہ وہ اس کو نفع دے جو اس کے نفع سے فائدہ نہ اٹھائے تو اسکا انکار کیوں کہ وہ اس کو ضرر دے جس کو ضرر نہ

پہنچے اور اگر وہ ضرر اس کو پہنچاتا جس کو ضرر پہنچتا ہے تو اس طرح وہ نفع بھی اسی کو دیتا ہے جو منتفع ہوا اگر یہ جائز ہو کہ وہ غیر منتفع کو نفع دے اور غیر مھتدی کو ہدایت دے تو پھر یہ بھی جائز ہوا کہ وہ غیر مقتدر کو قدرت دے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ غیر منتفع کو نفع اور غیر مھتدی کو ہدایت دے۔

(۴۴) ایک مسئلہ جو تم ہم سے پوچھتے ہو کہ کیا اللہ نے فرمایا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ﴾

(البقرہ:۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور واضح دلائل۔''

تو اس کا انکار کیونکہ قرآن کفار ومؤمنین سب کے لیے ہدایت ہو۔

ان سے کہا جائے گا: یہ آیت خاص ہے۔ کیونکہ اللہ ہی نے واضح کیا ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے اور اللہ کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور قرآن متناقض نہیں ہوسکتا اس لے واجب ہے کہ ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' سے مراد کافروں کی بجائے اہل ایمان ہوں۔

(۴۵) اگر کوئی اعتراض کرے کہ کیا اللہ نے فرمایا نہیں:

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ﴾ (یس:۱۱)

''آپ تو صرف اسے ڈراتے ہیں جس نے اس ذکر کی اتباع کی۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴾ (النازعات:٤٥)

''آپ تو صرف اسے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے۔''

جب کہ نبی ﷺ نے ذکر کی پیروی کرنے والے، اور نہ کرنے والے ڈرنے والے اور نہ ڈرنے والے دونوں کو ڈرایا ہے۔ اس شخص کو کہا جائے گا: ٹھیک ہے۔ اگر وہ کہیں کہ پھر تم اس کا انکار کیوں کرتے ہوں کہ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ سے مراد بھی یہی ہو کہ یہ ان کے لیے

اوران کے غیر کے لیے سب کے لیے ہدایت ہے؟ اس پر ان سے کہا جائے گا:

﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ ﴾ کا معنی یہ ہے کہ تمھارے انذار سے فائدہ وہ اٹھاتا ہے جو ذکر کی پیروی کرے اور ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴾ کا معنی یہ ہے کہ انذار سے فائدہ وہ اٹھاتا ہے جو قیامت اور قیامت کی سزا سے ڈرتا ہے کیوں کہ اللہ نے قرآن میں بتایا ہے کہ اس نے کفار کو بھی ڈرایا ہے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة : ٦) ·

آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے ایک ہی بات ہے وہ ایمان نہیں لائے گے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ٢١٤)

''اور اپنے کنبہ کے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے''

اور فرمایا:

﴿ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ ﴾ (فصلت:١٣)

''میں تمھیں ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی قوم عاد اور ثمود پر گری تھی''

یہ کفار کو خطاب ہے۔ جب اللہ نے قرآن میں خبر دی ہے کہ اس نے کفار کو بھی ڈرایا ہے جیسا کہ خبر دی ہے کہ اس نے ذکر کے پیروکار اور قیامت سے ڈرنے والوں کو ڈرایا ہے تو یہ واجب ٹھہرا کہ اللہ نے مؤمنین اور کفار دونوں کو ڈرایا ہے۔ اور جب ہمیں یہ بتایا کہ یہ متقین کے لیے ہدایت اور کفار پر عمی ہے اور اللہ کفار کو ہدایت نہیں دیتا تو یہ واجب ہوا کہ قرآن کفار کی بجائے صرف مؤمنین کے لیے ہدایت ہے۔

(٤٦) اگر کوئی ﴿ وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ (فصلت: ١٧) کے متعلق سوال کرے تو کیا ثمود کفار نہ تھے اور اللہ نے بتایا ہے کہ اس نے ان کو

ہدایت دی تو اس سائل کو کہا جائے گا: معاملہ اس طرح نہیں۔ اس آیت کے جواب کی دو وجوہ ہیں:

(الف) ثمود دو گروہ تھے۔ کافر اور مومن۔ مؤمن ہی وہ تھے جن کے متعلق اللہ نے خبر دی ہے کہ انھوں نے صالح کے ساتھ نجات پائی فرمایا:

﴿ نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ (هود:٦٦)

''ہم نے صالح کو اور اسکے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ عذاب سے بچالیا۔''

تو ثمود کے جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی وہ کفار نہیں مومن تھے۔ کیوں کہ قرآن میں اللہ نے بتایا ہے کہ وہ کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور قرآن متناقض نہیں بلکہ اس کا بعض بعض کی تصدیق کرتا ہے۔ جب ایک جگہ بتایا کہ کفار کو ہدایت نہیں دیتا اور دوسری جگہ بتایا کہ ثمود کو ہدایت دی تو ہم نے جان لیا کہ اس سے ثمود کے مؤمن مراد ہیں کفار نہیں۔

(ب) دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ نے ثمود کی مخصوص قوم مراد لی ہے جو مؤمن ہونے کے بعد مرتد ہو گئے۔ ان کے متعلق بتایا ہے کہ ان کو ہدایت دی مگر انھوں نے اس کے بعد کفر سے محبت کی۔ اور وہ ہدایت والے حال میں مؤمن تھے۔

اگر کوئی پہلے جواب میں اعتراض کرے کہ (فَهَدَيْنٰهُمْ) سے ثمود کی مؤمن قوم مراد کیسے ہوگی جب کہ (فَاسْتَحَبُّوا) سے مراد کفار ہیں جو کہ غیر مؤمنین ہیں۔

تو کہا جائے گا: یہ اس لغت میں جائز ہے جس میں قرآن نازل ہوا کہ (فَهَدَيْنٰهُمْ) سے مراد ثمود کے مؤمن ہوں پھر کہا جائے ﴿ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ اور اس سے مراد کفار ہوں۔ اس جیسی اور بھی آیات ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ﴾ (الانفال:٣٣)

''اور نہیں ہے اللہ کہ انھیں عذاب دے اور آپ ان میں موجود ہوں۔''

یعنی کفار کو پھر فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (الانفال: ٣٣)

"اور نہ ہی کہ اللہ انھیں عذاب دینے والا ہے جب کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔"

اس سے مراد اہل ایمان ہیں پھر فرمایا:

﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ (الانفال: ٣٤)

"اور اللہ ان لوگوں کو کیوں عذاب نہ دے۔"

اس سے مراد کفار ہیں۔ اہل زبان کے ہاں اس خطاب کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں جس کا ظاہر ایک جنس ہو اور مراد دو جنسیں ہوں۔ پس وہ اعتراض باطل ہوا جو معترض نے کیا بلکہ اعتراض نے اس کی جہالت پر دلالت کی۔

باب 12

تقدیر سے متعلق احادیث

(۱)...... معاویہ بن عمرو از زائدہ از سلیمان اعمش از زید بن وہب از عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ہمیں صادق مصدوق رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ:

((ان خلق احدکم یجمع فی بطن أمه فی اربعین لیلة ،ثم یکون علقة مثل ذلك، ویکون مضغة مثل ذلك، ثم یبعث الله الملك، قال: فیؤمر باربع کلمات یقال: اکتب اجله ورزقه و عمله شقی او سعید ،ثم ینفخ فیه الروح قال: فان احدکم لیعمل بعمل اهل الجنة حتی یکون بینه وبینها الا ذراع فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اهل النار فیدخلها۔ وان احدکم لیعمل بعمل اهل الجنة حتی ما یکون بینه و بینها الا ذراع فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اهل الجنة فیدخلها.))[1]

''تم میں سے ہر کسی کی پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس راتوں تک کی جاتی ہے، پھر وہ خون کی پھٹکی بن جاتا ہے، پھر وہ گوشت کا لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر اسکے بعد اللہ فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار چیزوں کا حکم ہوتا ہے، چنانچہ وہ اسکی روزی، اس کی موت، اس کا عمل اور یہ کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت لکھ لیتا ہے، پھر اس میں روح پھونکتا ہے اور تم میں سے ایک شخص جنت والوں کے سے عمل کرتا ہے، اور جب اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فرق رہ جاتا ہے تو اس

[1] اخرجه البخاری : ۳۲۰۹ ومسلم : ۲٦٤۳.

کی تقدیر غالب آتی ہے اور وہ دوزخ والوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوجاتا ہے، اسی طرح ایک شخص دوزخ والوں کے عمل کرتا ہے اور جب اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر غالب آتی ہے اور جنت والوں کے کام کرنے لگتا ہے، پھر جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔''

(۲)...... معاویہ بن عمرو از زائدہ از اعمش از ابو صالح از ابو ہریرہ از نبی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((احتج آدم وموسى، قال موسى: ياآدم انت الذى خلقك الله بيده، ونفخ فيك من روحه، اغويت الناس واخرجتهم من الجنة؟ قال آدم لموسى: انت الذى اصطفاك الله بكلمات، أتلومنى على عمل كتبه الله علیّ قبل ان يخلق الله السموات؟ قال: فحج آدم موسى)) ❶

''سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا آدم علیہ السلام نے آپس میں بحث کی، موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ وہ آدم ہیں جنھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور جنت سے نکال دیا؟ سیدنا آدم علیہ السلام بولے: آپ وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے چن لیا؟ کیا آپ مجھے ایسے کام پر ملامت کرتے ہیں جو مجھ پر اللہ نے آسمان پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔''

(۳)...... یہ حدیث مالک نے ابوزناد از اعرج سے از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ❷

یہ حدیث قدریہ کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اللہ کسی چیز کے واقع ہونے سے قبل اس کو جانتا نہیں، اس نے وہ لکھا ہو جو وہ جانتا ہی نہ ہو!!

❶ بخاری:٣٤٠٩،مسلم ٢٦٥٢. ❷ موطا امام مالك:٨٩٢/٢، صحيح مسلم: ٢٦٥٢.

"جل عن ذلك وتقدس"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانعام :٥٩)

''اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو، نہ زمین ہی کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو اور نہ تر اور خشک کوئی چیز ہے مگر وہ سب کتاب مبین میں موجود ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا﴾ (هود:٦)

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے اور اس کی قرارگاہ کو بھی وہ جانتا ہے اور دفن ہونے کی جگہ کو بھی''

اور فرمایا:

﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ (المجادلة :٦)

''اللہ نے اس کا پورا ریکارڈ رکھا ہے جب کہ وہ خود اسے بھول گئے''

اور فرمایا:

﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ (مريم :٩٤)

''رحمٰن نے ان سب کا ریکارڈ رکھا ہے اور ان کی پوری گنتی کر رکھی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق :١٢)

''باعتبار علم اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔''

﴿وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ (الجن :٢٨)

''اور ہر چیز کو گن کر اسے شمار کر رکھا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ:۲۹)

''ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

یہ آیات وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تمام اشیاء کو جانتا ہے۔

اور بلاشبہ اللہ نے خبر دی ہے کہ مخلوق مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے، ان کا حشر ہوگا، کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، جب کہ انبیاء اور اہل ایمان جنت میں داخل ہوں گے اور قیامت قائم ہوگی۔ حالاں کہ ابھی تک قیامت قائم نہیں ہوئی۔ (یہ سب) پیش گوئیاں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ اشیاء کے وقوع سے پہلے بھی ان کو جانتا ہے۔ اہل دوزخ کے متعلق فرمایا:

﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا﴾ (الانعام:۲۸)

''اور اگر وہ لوٹا دیے تو دوبارہ ایسا ہی کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالی نے اس کام کے متعلق خبر دی ہے جو ابھی ہوا نہیں کہ جب وہ ہوا تو کیسے ہوگا۔

فرمایا:

﴿فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۖ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝﴾ (طه:۵۱-۵۲)

''کہا جو نسلیں گزر چکی ہیں کس حال میں ہیں؟ موسی نے جواب دیا: ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔''

اور جو کسی چیز کے وقوع سے پہلے اس کو نہیں جانتا وہ اس کی تقضی کے بعد بھی نہیں جانتا۔ تعالی اللہ عن قول الظالمین علوا کبیرا!

(۴)...... معاویہ بن عمرو از زائدہ از سلیمان اعمش از عمرو بن مرہ از عبدالرحمن بن ابی لیلی از عبداللہ بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود کے پاس تھے کہ لوگوں نے ایک آدمی کے اخلاق تذکرہ کیا۔ لوگ کہنے لگے۔ کیا اس کو روکنے والے کوئی نہیں۔ عبداللہ بن مسعود کہنے لگے۔ کیا خیال ہے تمھارا کہ اگر تم اس کا سر کاٹ دو تو کیا (اس کی جگہ) اس کے ہاتھ بنانے کی طاقت رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: نطفہ جب عورت کے پیٹ میں داخل ہوتا ہے تو چالیس دن ایسے ہی رہتا ہے پھر خون بن کر (رحم میں) اترتا ہے پھر اس کی مثل علقہ ہوتا ہے۔ پھر اس کی مثل گوشت کا لوتھڑا۔ پھر اللہ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی عمر، عمل، رزق، اثر، اخلاق، اور خوش بخت، بدبخت ہونا لکھتا ہے اور تم اس کے اخلاق کو بدلنے کی اس وقت تک ہرگز طاقت نہیں رکھتے جب تک کہ اس کی خلقت نہ بدل دو۔'' ❶

(۵)...... معاوی بن عمرو از زائدہ از منصور از سعد بن عبیدہ از ابوعبدالرحمن از علی بیان کرتے ہیں کہ بقیع الفرقد میں ایک جنازہ کے لیے موجود تھے کہ نبی ﷺ آ کر بیٹھ گئے۔ ہم آپ کے اردگرد تھے۔ آپ کے پاس ایک چھڑی تھی جس سے آپ زمین کریدنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں یا کوئی جان ایسی نہیں جس کا ٹھکانا جنت اور دوزخ دونوں جگہ نہ لکھا گیا ہو اور یہ بھی کہ وہ نیک بخت ہوگا یا بدبخت۔ اس پر ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر کیوں نہ ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کریں اور عمل چھوڑ دیں کیونکہ جس کا نام نیک دفتر میں لکھا ہے وہ ضرور خوش بختوں میں سے ہوگا اور جس کا نام بدبختوں میں لکھا وہ ضرور بدبختوں میں سے ہوگا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عمل کرو، ہر کسی کے لیے (اس کی تقدیر کے مطابق) عمل میسر کر دیا گیا ہے۔ بدبختوں کے لیے بدبختی کے اعمال میسر کر دیے گئے ہیں اور خوش بختوں کے لیے خوش بختی کے اعمال میسر کر دیے گئے ہیں۔

پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۝۵ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَ اَمَّا

---

❶ بخاري: ١٥٥، مسلم: ٦/ ٤٤٣، الابانة: ٣/ ٦٢، الادب المفرد: ٢٨٣.

مَنۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ؕ﴾

(اللیل:۵۔ ۱۰)[1]

(۲)......موسیٰ بن اسماعیل از حماد از ہشام بن عروہ از عروہ از عائشہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ان الرجل لیعمل بعمل اهل الجنة ،وانه المكتوب فی الكتاب من اهل النار، فاذاكان قبل موته تحول فعمل بعمل اهل النار، فمات فدخل النار، وان الرجل لیعمل بعمل اهل النار، وانه لمكتوب فی الكتاب انه من اهل الجنة، فاذاكان قبل موته تحول فعمل بعمل اهل الجنة (فمات) فدخل الجنة))[2]

"بے شک آدمی اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے جب کہ کتاب میں اس کا اندراج اہل جہنم میں ہوتا ہے تو موت سے پہلے وہ بدل جاتا ہے اور دوزخیوں کے عمل کرنے لگ جاتا ہے اور وہ دوزخ میں داخل ہوجاتا ہے اور بیشک آدمی دوزخیوں کے عمل کرتا ہے جب کہ کتاب میں اس کا اندراج اہل جنت میں ہوتا ہے تو موت سے قبل وہ بدل جاتا ہے اور جنتیوں کے عمل کرنا شروع کردیتا ہے۔ پھر فوت ہوجاتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔"

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ جو ہوگا اس کو اللہ جانتا ہے اور وقوع پزیر ہونے والی اشیاء کو لکھ بھی رکھا ہے۔ اہل جنت اور اہل نار کو بھی لکھ رکھا ہے۔ اللہ نے فریق پیدا کیے ہیں۔ ایک جنت میں اور ایک جہنم میں ہوگا۔ قرآن میں بھی یہی ہے:

﴿فَرِيقًا هَدٰى وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ﴾ (الاعراف:۳۰)

---

[1] بخاری:۱۳۶۲، مسلم:۲٦٤٧

[2] صحیح۔ مسند احمد [illegible]

''ایک فریق کو اس نے ہدایت کی اور دوسرے فریق پر گمراہی واجب ہو گئی۔''

اور فرمایا:

﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ﴾ (ھود:۱۰۵)

''پھر ان میں کچھ بدبخت ہوں گے کچھ نیک بخت۔''

پس بدبختوں کو اللہ نے بدبختی کے لیے اور سعداء کو خوش بختی کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔

فرمایا:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ﴾ (الاعراف:۱۷۹)

''ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ہیں۔''

(۷)...... نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ:

((ان اللہ عزوجل جعل للجنۃ اھل وللنار اھلا)). [1]

''بلاشبہ اللہ نے جنت کے بھی اہل پیدا کیے ہیں اور دوزخ کے بھی''

تقدیر پر ایک اور دلیل:

یہ تقدیر کی دلیل ہے۔ اور قدریہ کے مذہب کے بطلان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ (الاعراف:۱۷۲)

''اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا۔''

(۸)...... (اس سلسلہ میں) نبی ﷺ سے بھی روایت مروی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((ان اللہ عزوجل مسح ظھر آدم فاخرج ذریتہ من ظھرہ کامثال الذر ثم قررھم بوحدانیتہ، واقام الحجۃ علیھم)) [2]

''اللہ نے آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان کی پشت سے چیونٹیوں کی مثل ان

[1] صحیح مسلم:۲۶۶۲.

[2] صحیح: اور امام اشعری اسے بالمعنی لائے ہیں اس لفظ کے قریب ترین لفظ مسند احمد کی روایت کے ہیں۔ (مسند احمد ۴/ ۲۷۶)

کی اولاد کو نکالا پھر ان سے اپنی وحدانیت کا اقرار کروایا اور ان پر اپنی حجت قائم کی۔''

کیونکہ اللہ نے فرمایا:

﴿ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ ﴾ (الاعراف:۱۷۲)

''اس نے ان کے نفسوں پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں ہم نے گواہی دی۔''

اور فرمایا:

﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴾ (الاعراف:۱۷۲)

''مبادا کہ تم قیامت کے روز کہو ہم اس سے بالکل غافل تھے۔''

پس اللہ نے آدم سے نکال کر ان کے اقرار وحدانیت کو ان پر اس وقت کے لیے حجت بنایا وہ دنیا میں اس کا انکار کریں گے حالاں کہ وہ پہلے اسے پہچان چکے تھے۔ پھر اقرار کے بعد اس کا انکار کر دیا۔ پہچان چکے اور بعد میں انکار کیا۔

(۹)...... آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((ان اللہ قبض قبضة للجنة وقبضة للنار فميز بعضا من بعض۔ فغلبت الشقوة على اهل الشقوة والسعادة على اهل السعادة)) ❶

''اللہ نے ایک مٹھی جنت کے لیے اور ایک دوزخ کے لیے اٹھائی پس بعض کو بعض سے ممیز کیا۔ اہل شقاء پر بدبختی غالب آگئی اور اہل سعادہ پر خوش بختی۔''

اللہ نے دوزخیوں کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ کہیں گے:

﴿ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴾ (المؤمنون:۱۰۶)

---

❶ صحیح لغیرہ۔ مسند ابی یعلی: ۳٤۲۳۔

''ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی، ہم گمراہ قوم تھے''

اور یہ سب اس امر کے مطابق ہے جو پہلے سے اللہ کے علم میں ہے۔ اور اس میں اس کا ارادہ نافذ اور مشیت متقدم ہو۔

(۱۰)...... معاویہ بن عمرو از زائدہ طلحہ بن یحییٰ قرشی از عائشہ بنت طلحہ از عائشہ ام المومنین بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ انصار میں سے کسی بچے کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بلائے گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: اس کے لیے طوبیٰ ہے اے اللہ کے رسول: یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے اس نے نہ تو گناہ کیا نہ گناہ کی عمر کو پہنچا۔ آپ نے فرمایا:

((أو غير ذلك يا عائشه! ان الله عزوجل قد جعل للجنة اهلا وهم واصلاب آبائهم ،وللنار اهلا جعلهم لها وهم في اصلاب آبائهم)) [1]

''اے عائشہ یا اس کے علاوہ کچھ ہے! اللہ نے جنت کے لیے کچھ لوگ بنائے ہیں جب کہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور جہنم کے لیے بھی کچھ اہل بنائے ہیں جو کہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔''

یہ حدیث واضح کرتی ہے سعادت اہل سعادت کے لیے پہلے سے متعین ہو چکی اور بدبختی بھی اہل شقاء کے لیے پہلے سے متعین ہو چکی ہے۔

(۱۱)...... آپ ﷺ نے فرمایا:

((اعملوا فكل ميسر فكل ميسر لما خلق له))

(سبق تخريجه)

''عمل کرو، ہر شخص کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔''

(۱۲)...... ایک اور دلیل۔ اللہ نے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم: ٦٧٦٢.

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾

(الکھف :١٧)

"جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ بھٹکادے تو اس کے لیے آپ کوئی رشد سمجھانے والا مددگار نہ پائیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ﴾ (البقرہ :٢٦)

"اس کے ذریعے اللہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔"

(اس میں) اللہ نے خبر دی ہے کہ وہ گمراہ بھی کرتا ہے اور ہدایت بھی دیتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ﴾ (ابراهيم :٢٧)

"اور جو ظالم ہیں انھیں اللہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے"

اور بتایا کہ وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (البروج:٣٠)" جب کفر اللہ کا مراد ہے تو بلا شبہ اس نے کفر کو پیدا بھی کیا، مقدر بھی کیا ور اس کو بنایا بھی۔ اور اس کی اس آیت سے وضاحت بھی کی:

﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴾ (الصافات:٩٦)

"کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تراشتے ہو حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور اس کو بھی جو تم عمل کرتے ہو"

پس اگر بتوں کی عبادت کرنا ان (مخلوق) کے اعمال میں سے ہے تو یہ (عمل) اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الاحقاف:١٤)

"اس کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے"

یعنی اللہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اسی طرح جب اس نے رحمن

سے ان کا کفر اور بتوں کی عبادت کا ذکر کیا (تو یہ بھی مخلوق ہوئے کیوں یہ بھی ان کا عمل ہے) اگر انھوں نے یہ خود ہی مقدر کیا اور پیدا کیا ہوتا تو انھوں نے وہ کیا ہے جو رب کے فعل اور تقدیر سے باہر ہے۔

اور یہ کیسے جائز ہے کہ ان کے لیے ایسی قدرت، تقدیر اور فعل ہو جو رب کے لیے بھی نہیں۔ جس نے یہ گمان کیا اس نے رب کو عاجز قرار دیا۔ تعالیٰ اللہ عن قول المعجزین له علوا کبیرا۔

کیا دیکھتے نہیں کہ جس نے یہ گمان کیا کہ لوگ وہ جانتے ہیں جو اللہ بھی نہیں جانتا تو اس نے لوگوں کے لیے اس علم کا اثبات کر دیا جو اللہ کے لیے بھی نہیں۔ اور لوگوں کو اللہ کا نظر بنا دیا۔ اسی طرح جس نے یہ گمان کیا کہ لوگ ایسی چیز پر بھی قادر ہیں جس پر رب نہیں تو اس نے لوگوں کے لیے ایسی سلطنت قدرت اور تمکن کا اثبات کیا جو رب کے لیے بھی نہیں۔ تعالیٰ اللہ عن قول اهل الزور۔

(۱۴) ایک اور جواب: ان سے کہا جائے گا: کیا کافر کا کفر کرنا فاسد باطل اور تناقض ہے؟ اگر کہیں: ہاں، تو کہا جائے گا: وہ (کافر) فاسد متناقض قبیح کیسے کرے گا، جب کہ وہ اسے حسن، صحیح اور افضل الادیان سمجھ رہا ہے؟ جب یہ جائز نہیں کیوں کہ فعل حقیقت کے مطابق ہی فعل ہوتا ہے نہ کہ اس کے مطابق جس کے ساتھ فعل منتھی ہے۔ (یعنی فعل کا حسن وقبیح ہونا فاعل کے گمان و اعتقاد سے متغیر نہیں ہوتا۔ زنا قبیح ہی ہے چاہے زانی اسے اچھا سمجھتا ہو۔)

پس واجب ہوا کہ اللہ ہی نے کفر کو مقدر کیا، اور اس نے ہی اس کو فاسد باطل، متناقض اور حق وسداد کے خلاف پیدا کیا۔

باب 13

مسئلہ شفاعت اور آگ سے خروج کا بیان [1]

(ا)...... ان سے کہا جائے گا: مسلمانوں نے اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفارش کریں گے۔

یہ سفارش کس کی ہوگی؟

(الف)......کیا کبائر کے مرتکبین کی؟

(ب)...... یا مخلص مؤمنین کی؟ اگر کہیں مرتکبین کبائر کی تو موافق ہوگے۔ اگر کہیں کہ ان مؤمنین کی ہوگی جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جن سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے ان کی ہوگی تو کہا جائے گا: جب وہ جنت کے موعود تھے اور ان کو جنت کی خوشخبری دی گئی تھی تو اور اللہ وعدہ کے خلاف بھی نہیں کرتا تو ایسی قوم کی سفارش کا کیا معنی جن کے متعلق تمھارے ہاں جائز نہیں کہ اللہ انھیں جنت میں داخل نہ کرے۔

(الف)...... جب کہا تمہارا قول یہ ہے کہ وہ جنت کے حق دار ہوگئے ہیں اور محنت کا حصول واجب کرلیا ہے؟ اور جب اللہ ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا تو جنت میں دخول سے تاخیر کرنا تو ظلم ہوا تو کیا سفارشی اللہ سے تمھارے مذہب کے مطابق یہ سفارش کریں گے کہ وہ ظلم نہ کرے تعالی اللہ عن افترائکم علیه علوا کبیرا۔ [2]

(ب)...... اگر یہ کہیں کہ آپ ﷺ اللہ سے اس کے فضل میں اضافے کی سفارش کریں گے نہ کہ جنت میں داخل کرنے کی، تو کہا جائے گا: کیا اس کا بھی اللہ نے وعدہ نہیں

---

[1] دیکھیے: شرح عقیدہ طحاویہ (ص:۲۲۳۔۲۱۳، ۲۳۷۔۴۱۸)

[2] یہ معتزلہ کے اس موقف کا رد ہے کہ روز قیامت سفارش صرف جنت میں جلدی دخول کے لیے ہوگی۔ اصحاب کبائر کے لیے نہ ہوگی۔

کیا؟ فرمایا:

﴿لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ﴾ (فاطر:۳۵)

”تا کہ اللہ ان کو ان کے مکمل اجر دے اور اپنے فضل سے مزید بھی دے۔“

اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

تو کیا آپ ﷺ اللہ سے یہ سفارش کریں گے کہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے یہ تمہارے قول کی جہالت ہے۔ معقول سفارش یہ ہے کہ جو مستحق عتاب ہے اس کے عذاب کو ختم کرنے کو سفارش کی جائے یا اس پر فضل کی جس سے پہلے وعدہ نہیں جب پہلے ہی وعدہ ہو پھر سفارش کی کوئی وجہ نہیں۔

(۲)......سوال اگر یہ لوگ اس آیت کے متعلق سوال کریں:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ (الانبیاء:۲۸)

”وہ نہیں سفارش کریں گے مگر اس کے لیے جس کے لیے (اللہ) نے پسند کیا۔“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ کی سفارش اہل کبائر کے لیے ہے۔ ❶

اور آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ گناہ گار دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ ❷

---

❶ [صحیح لغیرہ] ابوداؤد:۴۷۳۹، مسند احمد:۱۳۲۲۲، مستدرك حاكم ۱/ ۱۴۰، ترمذی:۲۴۳۷، صحیح الجامع:۳۶۰۸.

❷ سبق تخریجه.

باب 14

حوض کا تذکرہ ❶

معتزلہ حوض کے بھی منکر ہیں جب کہ بہت سے طرق سے یہ نبی ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے بلا خلاف مروی ہے۔

۱:...... عفان از حماد بن سلمہ از علی بن زید از حسن از انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس حوض کا ذکر کیا گیا تو اس نے انکار کیا۔ انس رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: لاجرم، لأسوٴته۔ پھر فرمایا: تم نے حوض کا انکار کیوں کیا؟ عبیداللہ نے کہا: کیا آپ نے نبی ﷺ کو اس کا ذکر کرتے سنا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے اتنے اتنے سے زیادہ مرتبہ آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

((مابين طرفيه۔ يعني الحوض۔ مابين ايله ومكة۔ او مابين صنعاء ومكة وان آنيته اكثر من نجوم السماء)) ❷

”حوض کی دو طرفوں کے درمیان ایلہ و مکہ یا صنعاء و مکہ کے درمیان جتنی مسافت ہے اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔“

۲:...... احمد بن عبداللہ بن یونس از زائدہ از عبدالملک بن عمیر از جندب بن سفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

((انا فرطكم على الحوض)) ❸

---

❶ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص ۲۲۰۔۲۲۳)

❷ صحيح من غير ذكر قصة انس مع زياد۔ مسند ابی يعلى: ۲۷۶۱ واحاديث الحوض في الصحيحين۔ بخاری: ۵۸۰، مسلم: ۲۳۰۳، مسند احمد: ۲۳۰/۳، ترمذی: ۲٤٤٤۔

❸ بخاری: ٦٥٨٩، مسلم: ۲۲۸۹۔

''میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوگا۔''

اور بھی کثیر اخبار مروی ہیں۔ ❶

---

❶ [ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ﴾ (الکوثر:١) ''ہم نے آپ کو حوض کوثر عطا فرمایا ہے۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے پہلے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا۔ (صحیح البخاری :٦٥٨٣ صحیح مسلم:٢٢٩) اور فرمایا کہ میرے حوض کی مسافت ایک ماہ کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، آبخورے ستاروں کے برابر ہیں، جو ایک بار پے گا اسے (روز قیامت) دوبارہ پیاس محسوس نہیں ہوگی۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ (صحیح بخاری:٦٥٨٠، صحیح مسلم:٢٣٠٣ـ ٢٢٩٢، ١٠٣٢، نیز دیکھیں شرح العقیدة الطحاویة:٢٢٧، فتح الباری: ج١١ ص٤٦٨ـ ٤٨٩، البدایة والنهایة: ج٣ ص٤٣٤) علامہ ابن ابی العز الحنفی نے کہا کہ حدیث حوض تواتر کو پہنچتی ہے۔ اس کو تیس صحابہ نے روایت کیا ہے۔ امام بربہاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حوض پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ (شرح السنة رقم: ٢٠ ص: ٦٥)

امام ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو قیامت کے دن ایک حوض عطا کیا جائے گا جس کا پانی دودھ سے سفید اور شہد سے میٹھا ہوگا اور ستاروں کی گنتی کے مطابق آبخورے ہوں گے، جسے ایک گھونٹ پانی اس حوض سے مل جائے گا اسے (روز قیامت) کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ (لمعة الاعتقاد:١٢٣)]

باب 15

عذاب قبر کا بیان ❶

معتزلہ عذاب قبر کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ❷

حالانکہ یہ بھی کثیر طرق سے آپ ﷺ سے مروی ہے اور کسی ایک سے بھی اس کا انکار مروی نہیں، پس واجب ہوا کہ اس پر اصحاب نبی ﷺ کا اجماع ہے۔

ا:...... ابوبکر بن ابی شیبہ از معاویہ از اعمش از ابو صالح از ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((تعوذوا بالله من عذاب القبر)) ❸

"عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔"

احمد بن اسحاق حضرمی از وہیب از موسیٰ بن عقبہ از ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص

---

❶ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:٤٥١ـ٤٦٣)

❷ ہم نے پیچھے اشارہ کیا ہے کہ معتزلہ علی بکرۃ ابیھم عذاب قبر کے منکر نہیں بلکہ چند ایک ہی عذاب قبر کے منکر ہیں۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ: ۱/۲۹۸ میں تو قاضی عبدالجبار سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ہم نے ایک بھی معتزلی نہیں پایا جو اس کا منکر ہو! ہاں ضرار بن عمرو منکر تھا اور چونکہ وہ معتزلہ کی طرف منسوب تھا۔ ان سے میل جول رکھتا تھا اس لیے یہ قول معتزلہ کی طرف بھی مخالفین کی جانب سے منسوب ہونے لگا۔ میں کہتا ہوں: امام اشعری معتزلہ کے مذاہب کو بخوبی جاننے والے ہیں کیوں کہ آپ انھی میں سے تھے، پھر اللہ نے آپ کو ہدایت دے دی۔ آپ کا ان کا مذہب نقل کرنا معمولی حیثیت نہیں رکھتا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم معتزلہ میں سے اور بھی عذاب قبر کے منکر تھے۔ واللہ اعلم [موجودہ دور میں بھی بعض عقل سے عاری اور قرآن و حدیث کے دشمن عذاب قبر کے منکر ہیں ان کے رد پر علمائے کرام نے بہت کچھ لکھا جن میں شیخ ابوجابر عبداللہ دامانوی اور شیخ ارشد کمال حفظہما اللہ کی کتب قابل تعریف ہیں۔ عذاب قبر کے متعلق شکوک وشبہات کے رد میں ان کی کتب کی طرف مراجعت کی جائے۔]

❸ ابن ابی شیبہ :۳/۲۵۲ واصل الحدیث عندمسلم : ۱۵۸۸.

بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے آپ ﷺ کو عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔ [1]

۳:...... از انس بن مالک از نبی ﷺ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((لولاان لا تدافنوا۔ لسألت الله عزوجل ان يسمعكم من عذاب القبر مااسمعنى)) [2]

''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم مردے دفنانا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمھیں عذاب قبر سے وہ کچھ سنائے جو اس نے مجھے سنایا۔''

۴:...... کفار کے قبروں میں عذاب دے جانے پر اللہ کا یہ قول بھی ایک دلیل ہے:

﴿ اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾ ﴾ (الغافر:٤٦)

''وہ صبح وشام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا) کہ شدید ترین عذاب میں آل فرعون کو داخل کردو''

اللہ نے قیامت کا عذاب، دنیا میں آگ پر صبح وشام کی پیشی کے بعد مقرر فرمایا ہے اور فرمایا:

﴿ سَنُعَذِّبُہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ ﴾ (التوبہ: ١٠١)

''ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے''

یعنی ایک مرتبہ تلوار سے دوسری بار قبر میں پھر وہ آخرت کے سخت عذاب کی طرف لوٹائیں جائیں گے۔

اللہ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ دنیا میں شہداء رزق دیے جاتے ہیں اور اللہ کے فضل پر خوش ہوتے ہیں فرمایا:

﴿ وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ

---

[1] بخاری :١٣٧٦، مسند احمد :٣٦٤/٦ـ٣٦٥.

[2] مسلم :٢٨٦، مسند احمد :١٧٥/٣، ١٥٣، ١١٤، سنن النسائی:١٠٢/٤.

يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٧٠﴾﴾

(آل عمران: ١٦٩، ١٧٠)

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں جو اللہ کا ان پر فضل ہو رہا ہے اس سے وہ بہت خوش ہیں اور ان لوگوں سے بہت خوش ہوتے ہیں جو ان کے پیچھے ہیں اور ابھی تک (شہید ہو کر) ان سے نہیں ملے ان پر کچھ خوف نہ ہوگا اور نہ غم زدہ ہوں گے۔“

اور یہ دنیا ہی میں ہو سکتا ہے کیوں کہ جو ان سے ملے نہیں وہ زندہ ہیں نہ تو فوت ہوئے ہیں نہ قتل۔

باب 16

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت کا بیان ❶

ا:...... اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور:۵۵)

''اورتم میں سے جو مومن ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے دین کو مضبوط کر دے گا جیسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا، پس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

❶ یاد رہے کہ معتزلہ اور بعض راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے کے قائل ہیں جب کہ بعض اہل السنۃ کے موافق ہیں۔ جیسے جاحظ، موصوف کی اس پر کتاب بھی ہے جس کا نام عثمانیہ ہے۔ اس کتاب کا رد ایک معتزلہ نے المعید والموازنہ کے نام سے کیا ہے۔ قاضی عبدالجبار نے بھی اہل السنۃ کے موقف کے مطابق ابوبکر وعمر کی خلافت کی حقانیت میں المغنی میں طویل بحث لکھی ہے۔ جو ایک جلد پر ہے۔ اس کا جواب شریف مرتضی نے الشافی کے نام سے دیا اور اس کے جواب پر نقد ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کیا ہے۔ نیز دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:۵۵۲_۵۵۹)

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (الحج :٤١)

''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں ، زکوۃ ادا کریں ، بھلے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے رکیں''

۲:...... اللہ تعالیٰ نے مہاجرین ، انصار میں سے اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں اور بیعت رضوان والوں کی ثناء کی ہے۔ قرآن میں کافی مقامات پر مہاجرین وانصار کی مدح ہے اور بیعت رضوان والوں کی بھی ثناء ہے۔ فرمایا:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾

(الفتح:١٨)

''البتہ تحقیق اللہ مؤمنوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے''

۳:...... یہ تمام لوگ جن کی اللہ نے ثناء ومدح کی ہے امامت ابو بکر پر متفق ہو گئے اور ان کو خلیفہ رسول اللہ قرار دیا، بیعت کی اور مطیع ہو گئے ان کے فضل کا اقرار کیا۔ اور وہ خصائل جن کی بدولت انسان امامت کا حق دار ہوتا ہے مثلاً علم ، زہد قوت رائے ، اور سیاست امت وغیرہ ان میں آپ سب سے افضل تھے۔

۴:...... امامت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ایک قرآنی دلیل : اللہ نے سورۃ براءت میں اپنے نبی کی نصرت سے پیچھے بیٹھ جانے والوں اور جہاد پر نہ نکلنے والوں سے کہا:

﴿ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ﴾ (التوبہ :٨٣)

''تو آپ کہیے تم میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور نہ کبھی میرے ہمراہ دشمن سے جنگ کرو گے''

اور دوسری سورت میں فرمایا:

﴿ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ (الفتح :١٥)

''جب تم غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو وہ اللہ کے حکم کو بدلنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

یعنی یہ فرمان: ﴿لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ کو بدلنا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا:

﴿كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (الفتح :۱۵)

''اللہ پہلے ہی ایسی بات فرما چکا ہے پھر وہ کہیں گے (یہ بات نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ یہ لوگ حقیقت تو کم ہی سمجھتے ہیں''

اور فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ (الفتح :۱٦)

''آپ پیچھے رہ جانے والوں سے کہیے کہ عنقریب تمہیں ایک سخت جنگجو قوم سے (مقابلہ کے لیے) بلایا جائے گا تمہیں ان سے لڑنا ہوگا یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تمہیں اچھا اجر عطا کرے گا اور اگر تم پھر گئے۔'' یعنی اگر قتال کی طرف بلانے والے سے تم نے اعراض کیا

﴿كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (الفتح :۱٦)

''جیسا کہ تم نے پہلے اعراض کیا تھا تو وہ تمھیں الم ناک عذاب دے گا''

اور داعی غیر نبی تھے کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ﴾ (التوبہ :۸۳)

۵:...... پھر سورہ فتح میں فرمایا:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ﴾

اس آیت میں انہیں نبی ﷺ کے ساتھ خروج سے منع کر دیا، بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ خروج کو تبدیل کلام قرار دیا۔ اس سے یہ واجب ٹھہرا کہ قتال کی طرف دعوت دینے والا یہ داعی آپ ﷺ کے بعد کوئی ہوگا۔ لوگوں نے کہا ہے کہ (جن سے قتال کیا جائے گا) وہ اہل فارس ہیں۔

اہل یمامہ بھی کہا گیا ہے۔ اب اگر یہ اہل یمامہ ہیں تو ان سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا اور ان سے قتال کی دعوت دی اور اگر یہ رومی ہیں تو ان سے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا اور اگر یہ اہل فارس ہیں تو ان سے ایام ابی بکر میں بھی قتال کیا گیا اور بعد میں عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔

۶:...... اور جب امامت عمر رضی اللہ عنہ واجب ہوئی تو امامت ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی واجب ہوئی۔ کیونکہ ان کو امامت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی سونپی تھی۔ پس قرآن پاک میں امامت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر دلالت موجود ہے۔ اور جب آپ ﷺ کے متصل بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت واجب ہوئی تو یہ بھی واجب ہوا کہ آپ افضل المسلمین ہیں۔

۷:...... امامت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اجماع ایک اور دلیل: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ تمام مسلمانوں نے ان کی امامت کو تسلیم کیا اور خلیفہ رسول اللہ کہا اور ہم نے دیکھا ہے کہ علی وعباس نے بھی بیعت کی اور ان کی امامت کا اقرار کیا۔

۸:...... رافضی کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ منصوص امام تھے۔ راوندی عباس رضی اللہ عنہ کو منصوص امام قرار دیتے ہیں۔ پس امامت کے متعلق تین ہی اقوال ہوئے۔

(الف):...... نبی ﷺ نے امامت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نص بیان کی اور اور آپ ہی بعد الرسول امام ہیں۔

(ب):...... آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو مخصوص پر نص بیان کی۔

(ج):...... آپ ﷺ کے بعد امام عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

ابوبکر صدیق والے قول پر اجماع مسلمین اور تمام مسلمانوں کی گواہی ہے۔ پھر علی

وعباس رضی اللہ عنہما کو بھی ہم نے دیکھا ہے کہ انھوں نے بھی آپ کی بیعت کی اور امام مان لیا تو یہ واجب ٹھہرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالا جماع ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی امام ہوں۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کہے: علی وعباس رضی اللہ عنہما کا ظاہر اس کے خلاف تھا۔ اگر ایسا دعوی جائز ہو تو اجماع ہو ہی نہ سکے۔ کوئی کہنے والا ہر اجماع کے متعلق ایسا دعوی کر دے۔ اس سے اجماع کی حجت ساقط ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجماع میں لوگوں کے باطن کا مکلف نہیں بنایا۔ بلکہ ظاہر کا مکلف بنایا ہے۔ اور جب بات اسی طرح ہے تو پھر امامت ابوبکر صدیق پر اجماع واتفاق ہوا۔

9:...... جب امامت ابوبکر رضی اللہ عنہ ثابت ہوئی تو امامت عمر رضی اللہ عنہ بھی ثابت ٹھہری، کیونکہ آپ ہی نے ان کو نامزد کیا تھا۔ اور آپ ہی ابوبکر صدیق کے بعد سب سے افضل تھے۔ ❶

10:...... عمر رضی اللہ عنہ کے بعد امامت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ثابت ہوئی۔ ❷ کیونکہ آپ کی بیعت ان اصحاب شعوری سے ہوئی بعد جن کو عمر رضی اللہ عنہ نے نامزد کیا تھا۔ ان اصحاب شوری نے آپ کی امامت کو پسند کیا اور آپ کے فضل وعدل پر اجماع کیا۔

11:...... عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امامت علی رضی اللہ عنہ بھی ثابت ہوئی۔ ❸ کیونکہ اہل حل وعقد صحابہ کے ساتھ منعقد ہوئی تھی اور کسی نے بھی اس کا اپنے لیے دعوی نہ کیا تھا آپ کے فضل وعدل پر اجماع کیا گیا ہے۔ اور اس سے پہلے خلفاء کے دور میں اپنے لیے خلافت کا دعویٰ نہ کرنا اس لیے تھا کہ آپ کو علم تھا کہ یہ آپ کہ قیام کا وقت نہیں۔ پھر جب معاملہ آپ کی طرف آیا تو آپ نے اعلان واظہار کر دیا اور کوتاہی نہ کی یہاں تک کہ سداد ورشاد سے اپنی خلافت گزاری جیسا کہ آپ سے پہلے خلفاء اور آئمہ عدل نے کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہوئے سداد ہوئے اپنی اپنی خلافت گزاری۔ یہ چار آئمہ ہیں جن کے عدل وفضل پر اجماع

❶ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:٥٦٠_٥٦١)

❷ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:٥٦١_٥٦٦)

❸ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:٥٦٨_٥٦٩)

کیا گیا ہے۔

۱۲:...... شریح بن نعمان از حشرج بن نباتہ از سعید بن جہمان از سفینہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

((الخلافة فی ثلاثین سنة ،ثم ملك بعدذلك)) ثم قال لی سفینة: أمسك خلافة ابی بکر، [ثم قال] [وخلافة] عمر وخلافة عثمان ثم [قال]أمسك خلافة علی بن ابی طالب، قال :[وجدتها] ثلاثین سنة))

''میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی ، پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی ،راوی کہتے ہیں: مجھے سفینہ نے کہا: ابوبکر کی خلافت شمار کرو پھر عمر عثمان اور علی کی بھی کرو۔ کہتے ہیں : میں نے شمار کی تو یہ (چار خلافتیں) تیس سال بنیں'' [1]

یہ حدیث آئمہ اربعہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔

رہا وہ کچھ جو علی ،زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوا تو وہ اجتہاد وتاویل سے تھا۔ امام علی رضی اللہ عنہ تھے اور یہ سب اہل اجتہاد میں سے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے لیے جنت کی شہادت دی تھی اور یہ شہادت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے اپنے اجتہاد میں برحق تھے۔ [2]

اسی طرح جو معاویہ ،علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا وہ بھی تاویل اجتہاد کی بدولت تھا۔ تمام صحابہ مامون اور غیر متہم فی الدین ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے ان سب کی مدح کی ہے اور ہمیں ان کی توقیر، تعظیم ،موالات اور ہر اس شخص سے اظہار براءت کا مکلف کیا ہے جو ان کی تنقیص کرے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اور اقرار کے متعلق ہم پہلے بات کر چکے ہیں۔ والحمد للہ اولا وآخرا۔

---

[1] سنن ابی داود (٤٦٤٩)سنن الترمذی (٢٢٢٩)صحیح ابن حبان (١٥٣٤) نیز دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:٥٧٠_٥٧١)

[2] دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ (ص:٥٤٥_٥٥٢)


نصیحتیں
عقیدة السلف واصحاب الحدیث
نکاح اور طلاق
MISGUIDANCE
اصول السنة